آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ۔ لو تمہیں طور تسلّی کا بتایا ہم نے

Digitized by Khilafat Library

ریویو آف ریلیجنز

یعنے دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۵ نمبر ۲

بابت ماہ فروری سنہ ۱۹۰۶ء

فہرست مضامین

۱- سود ۴۸ - ۶۳

۲- اسلام نمبر (۷) بجواب پادری سیل ہجرت ۶۴ - ۷۸

۳- اسلامی خطرہ ۷۹ - ۸۱

ریویو - الفرقان - تعلیم الاسلام تحفہ احمدیہ - ضیاء الاسلام - ۸۱

زُبدۃ الہامات حضرت مسیح موعودؑ - ۸۲

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ فروری سنہ ۱۹۰۶ء کو مینجر میگزین کی اہتمام سے شایع ہوا - چندہ سالانہ ؏

اشاعت اسلام

اسی میگزین میں ہمنے دوسری جگہ ذکر کیا ہے کہ مفت رسالے بھیجنے کا طریق کیسا مفید ثابت ہوا ہے اور یہی اندر اندر ان لوگوں کے دلوں میں جنکو ایسے رسالے پڑھنے کا موقع ملتا ہے کیا تبدیلی پیدا ہوتی جاتی ہے جسکی ایک مثال مشہور ہارورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر ٹائے کا ایک مضمون ہے جو امریکہ کے ایک میگزین میں چھپا ہے۔ اس کا ذکر ہمنے اسی رسالہ میں "اسلامی خطرہ" کے عنوان کے نیچے کیا ہے۔ ایسا ہی نیوزیلینڈ کے اخبارات میں بھی اسی قسم کا ذکر پایا جاتا ہے منجملہ ان لوگوں کے جن کو رسالہ بھیجا جاتا ہے۔ ایک لیڈی ہیں جن کا نام مس ایس اے رجوئے ہے اور جو اپنے شہر کے رہنے والی ہیں ایک تازہ خط میں وہ لکھتی ہیں "میں ریویو آف ریلیجنز کو بہت ہی شوق سے پڑھتی ہوں اور پوچھنا چاہتی ہوں کہ کیا یہ سب مضامین آپ کے ہی لکھے ہوئے ہوتے ہیں جو مضامین غلامی پر اس رسالہ میں لکھے گئے ہیں وہ ان لوگوں کی آنکھیں کھولنے والے ہیں جو غلط خیالات کے نیچے دبے ہوئے ہیں۔ اور تعدد ازدواج پر جو مضمون لکھے گئے ہیں وہ بہت معقول ہیں۔ میں یہ بھی دریافت کرنا چاہتی ہوں کہ حضرت مسیحؑ کی قبر اس مقام سے جہاں آپ رہتے ہیں کتنی دور ہے۔ ہمنے اٹلس میں اس مقام کا نام تلاش کیا مگر پتہ نہیں ملا۔ تھیوسوفی والے بھی کہتے ہیں کہ مسیح ہندوستان کو گیا تھا اور وہاں فوت ہو گیا۔ یہ بھی بہت قابل توجہ امر ہے میں ابھی یہ یقین نہیں کر سکتی کہ اس نے صلیب پر جان دی ہو۔ اگرچہ بڑی مدت سے بڑے حصہ میں یہ بات اس کے متعلق شایع کی گئی ہے لیکن اب جو طالبان حق سچائی کی راہ کو دیکھیں گے تو اس سے مروجہ عیسائیت کی جڑھ کٹ جائیگی ..... ریویو آف ریلیجنز کا نومبر کا رسالہ ابھی پہنچا اور ہمنے اسے پڑھا ہے۔ دجال پر جو مضمون اس میں لکھا گیا ہے اس سے ہمنے بہت سا نیا علم حاصل کیا ہے۔ مگر جب سے ہمنے اللہ تعالیٰ کی توحید کو مانا ہے میں یقین رکھتی ہوں کہ اکثر حصہ اس تعلیم کا جو عیسائی مذہب میں دیجاتی ہے مسیح کی تعلیم نہیں بلکہ دجال کی تعلیم ہے عیسائی سلسلہ کے ان خاتمہ کے دنوں میں بہت سے عیسائی اس سچائی کو محسوس کر رہے ہیں جو مسیح ... (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سکھائی ہے"۔ ایسا ہی ایک دوست کی فیاضی سے جس نے اپنا نام ظاہر کرنے سے منع کیا ہے۔ گذشتہ سالوں کی جلدیں یورپ اور امریکہ میں ایسے لوگوں کو بھیجی گئی تھیں جنکے نام مسٹر ولیم اور روب نے لکھے تھے اور خوشی کا مقام ہے کہ ان سب لوگوں نے اس رسالہ کو پڑھا اور خوشی کے خطوط لکھے اور آیندہ رسالہ کے ان کے نام بھیجے جانیکی خواہش ظاہر کی ایک صاحب لکھتے ہیں "میں آپ کا بہت ہی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے میرے نام ریویو آف ریلیجنز کے رسالے بھیجے جو بہت ہی مفید اور دلچسپ ہیں" کسی نے لکھا ہے "میں ان رسالوں کو پڑھ کر نہایت ہی خوش ہوا ہوں" کسی نے لکھا ہے کہ "میں نے انکو خوشی اور دلچسپی سے پڑھا ہے اور ابھی میں ان کو دوبارہ پڑھنا چاہتا ہوں" غرضیکہ یہ سلسلہ بہت مفید ثابت ہو رہا ہے ہمارے احباب کو بھی پوری سرگرمی سے [illegible]

خاکسار منیجر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

سود

عیسائی مذہب کی نرالی اصطلاحات کا ہم مشرقی لوگوں کیلئے سمجھنا بھی مشکل ہے انگریزی زبان میں آجکل سود کے متعلق دو الگ الگ لفظ ہیں جنکو معنوں کے لحاظ سے سود ناجائز اور سود جائز سے تعبیر کرنا پڑتا ہے مگر جنمیں اصل فرق صرف شرح سود کا زیادہ یا کم ہونا ہے یہ امتیاز زمانہ حال کی ایجاد ہے اور زمانہ قدیم میں اسکی کوئی اصلیت نہیں پائی جاتی قدیم زمانہ سے ایک ہی لفظ سود کے لئے آتا ہے جس سے وہ ایسا منافع سمجھا جاتا تھا جو زرنقد کے استعمال کے عوض مجبوری ادا کیا جاوے یا ادا کرنیکی شرط کیجاوے اور ان معنوں میں سود بھی داخل ہوتی تھی جو اب سود جائز ہے صرف فرق یہ ہے کہ جہاں زیادہ شرح سود کی سود کے ان قدیم معنوں میں داخل تھی سود جائز میں نہیں ہے لیکن زمانہ حال میں اس لفظ کو جو ہمیشہ سود کے لئے مستعمل ہوتا رہا ہے صرف سود کی ان قسموں سے مخصوص کر دیا گیا ہے جنکی شرح بہت بھاری ہو یا جو بھاری سود محتاج یا فضول خرچ لوگوں سے لیا جاوے اور جو سود معمولی طور پر لیا جاوے اسکے لئے ایک نئی اصطلاح تراش کر اسکا نام سود جائز رکھا گیا ہے یہ جھوٹا امتیاز صرف عیسائی مذہب کی دنیا پرستی کیوجہ سے پیدا ہوا ہے چونکہ اس مذہب کی ہمدردی انسانی کا دعویٰ سود کو جائز نہیں ٹھہرا سکتا تھا اسلئے بہت عرصہ تک یعنی یورپ کے درمیانی زمانہ کے اختتام تک نہ صرف یہی بات تھی کہ سود کی اجازت نہ تھی بلکہ پیشوایان عیسائی مذہب اسکو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے سود کی اس قطعی ممانعت کا نتیجہ ہوا کہ عیسائیوں میں یہودی قرض دینے والی بڑی قوم بنگئی معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ عیسائی مذہب میں انسانی اخوت کے قایم کرنیکے بڑے بلند ہوے ہیں مگر ایک عیسائی اپنے ہم مذہب بھائی کو بھی قرض حسنہ نہیں دیسکتا تھا پس سود کی اس نفرت سے عیسائیوں کو کوئی فائدہ نہ پہنچا انکو حکم تھا کہ "جو تجھسے قرض مانگے اس سے منہ نہ پھیر" مذہبی اور اخلاقی حیثیت سے اس سے کوئی فائدہ نہ ہوا کیونکہ بجائے برادرانہ ہمدردی کے خیال کے اس سے تنگدلی پیدا ہوئی مگر یہودیوں کی دولت دیکھکر جو نہایت لالچ عیسائیوں کے پیدا ہوا اسکے سامنے پادریوں کی اس سود کے متعلق مخالفت کی کوئی پیش نہ گئی اگرچہ بیچارے یہودیوں کو تو اسکا معاوضہ صرف ایذا رسانی جسمانی تکالیف جلاوطنی اور قتل کی شکل میں ہی دیا جاتا تھا سنہ ۱۲۹۰ء میں یہودی بڑی بے رحمی سے انگلستان سے نکالے گئے اور انکی جگہ عیسائی ہمولوں نے سود پر قرض دینا شروع کیا لیکن پھر بھی کچھ عرصہ بعد سود کی نفرت کم نہیں ہوئی کیونکہ انگلستان کے مشہور مصنف شیکسپیر کی تصنیف میں جو تصویر شائلاک ایک یہودی سودخور کی کھینچی گئی ہے وہ سودخوری کی خوفناک خرابیوں کا پورا آئینہ ہے اگرچہ سودخوری اسی وقت سے ......

ہو گئی مگر یہ سود خوری خفیہ تھی یعنی عیسائی لوگ کھلم کھلا سود نہ لے سکتے تھے اور نہ ہی سود کے لئے عدالتوں میں چارہ جوئی کر سکتے تھے
اور قانون نے اس سود خوری کیواسطے موجودہ زمانہ کی اصطلاحات جائز و ناجائز سود کی قائم نہیں کی تھیں بلکہ ایسے عجیب حیلوں سے
اسے جائز ٹھہرایا تھا جو قرضدار کے حق میں یہودیوں کے زیادہ سود لینے کی نسبت اکثر زیادہ مضر ہوتے تھے چنانچہ اس اپنی تصنیف
لکچر لئے بر قانون سکاٹلینڈ میں لکھتا ہے کہ جج روپیہ پر سود نہیں ڈال سکتے تھے کیونکہ یہ خلاف قانون و اخلاقی بدی اور قرضدار
کے حق میں ظلم تھا لیکن ہرجانہ اور قرضدار کیوقت مقرر پر نہ ادا کرنے کے بہانے اصل قرض سے دو چند قم کی ڈگری دیجاتی
تھی۔ دیکھو انسکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۲۴ صفحہ ۱۹)

اگر عیسائی مذہب کی تاریخ پر غور سے نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ جہاں یہ کسی خرابی کے انسداد میں ناکام رہا وہاں سخت
ایک سخت اور نرم صورتوں کا فرق قائم کر کے اسکو جائز قرار دیدیا مگر اسطرح جائز قرار دیکر بھی کسی خرابی کے انسداد میں اسکو کامیابی
نہیں ہوئی عیسائی مذہب یا یوں کہو کہ عیسائی ممالک اعتدال کی شرابنوشی اور بکثرت شرابخوری کے مابین اور تھوڑی
یا بڑی رقم کیساتھ قماربازی کے درمیان اور ایسا ہی ایک معمولی شرح پر سود لینے میں ایک فرق قائم کرنے میں اگر ایسا
امتیاز کرنے سے اول دو صورتوں میں فائدہ ہوا ہو تو امید ہو سکتی ہے کہ تیسری صورت میں بھی فائدہ ہو لیکن واقعات سے معلوم ہوتا ہے
کہ اعتدال کی شرابخوری کی حد سے زیادہ شرابخوری کی عادت پیدا ہوتی ہے اور تھوڑی تھوڑی رقموں کے قماربازی کرنے کرنے خطرناک
قماربازی کی عادت پڑتی ہے کیونکہ انتہا ہمیشہ تھوڑے سے ہوتی ہے پھر اگر یہ بدی ہے تو اس بدی میں انسان ترقی کرتا چلا جائیگا اور
اگر نیکی ہے تو نیکی میں ترقی کرتا چلا جائیگا قدرت نے انسان کو ترقی کے لئے پیدا کیا ہے وہ ایک جگہ ٹھہر نہیں سکتا یہی وجہ ہے کہ
یہ دونوں خرابیاں یعنی شرابخوری اور قماربازی عیسائی ممالک میں خطرناک طور پر پھیل گئی ہیں کیا ان دو باتوں کا کبھی کسی
عیسائی کے دل میں خیال نہیں آیا؟ سچ تو یہ ہے کہ یہ ایسی خرابیاں ہیں جو جڑ سے ہی نکال ڈالنی چاہئیں لیکن اگر صرف شاخ تراشی
کیجاویگی تو نتیجہ یہ ہوگا کہ شاخیں اور بھی زیادہ نکلینگی اور خرابی پہلے سے بھی زیادہ زور پکڑیگی واقعات سے اس بیان کی تصدیق
ہوتی ہے اور عیسائی ممالک میں جو شرابخوری اور قماربازی کا زور ہے اسکی وجہ صرف یہی ہے کہ اعتدال سے شرابخوری اور چھوٹی
چھوٹی رقموں سے قماربازی جائز رکھی گئی ہے۔ بلکہ مغربی ممالک میں انکو سوسائٹی کی ضروریات قرار دیا گیا ہے جائز اور ناجائز سود خوری
ایک ہی بدی کی دو صورتیں ہیں ممکن ہے کہ ایک صورت میں اس سے کم خرابی پیدا ہو اور دوسری جگہ میں زیادہ مگر آخر خرابی ہی ہے
جو خرابیاں ناجائز سود خوری یعنی زیادہ سود لینے سے بکثرت پیدا ہوتی ہیں وہ تھوڑے سود کے قانوناً روا رکھنے سے بھی ضرور
پیدا ہونگی اگرچہ کسی حد تک کم ہوں لیکن جو بڑا نقصان اس سے ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ کوئی ایسا امتیاز ممکن ہی نہیں اور نہ عملاً
رکھا جا سکتا ہے جب ایکدفعہ دروازہ کھل گیا تو کوئی ایسی حدبندی شرح کی نہیں ہو سکتی جس کے مطابق سود لگایا جاوے اور
نہ ایسی صورتوں کی کوئی تعیین کی جا سکتی ہے جنمیں روپیہ سود پر دیا جائے۔

زیادہ سود دینے کو اب بھی اخلاقی خرابی اس وجہ پر گنا جاتا ہے کہ اسمیں بیرحمی سختی اور تباہی ہے مگر جو سود جائز

رکھا گیا ہے اسکی تائید میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ صورت ناجایز سود خوری سے مختلف ہے اور زمانہ حال کی تجارتی ضروریات سے ہے دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ ابتدائی اور رہبانی زمانہ میں روپیہ محتاجی کی وجہ سے قرض لیا جاتا تھا اور چونکہ قرض کی ادائیگی کی امید قوی نہ ہوتی تھی اسلئے قرضخواہ لوگ ان اشخاص سے جو واقعی قابل رحم ہوتے تھے بھاری سود لیتے تھے لیکن اب یہ صورت نہیں ہے اور روپیہ عموماً تجارتی اغراض کی خاطر قرض لیا جاتا ہے اور جو سود اسپر لیا جاتا ہے وہ تجارتی منافع کا ایک جزو سمجھا جا سکتا ہے اب اگر یہ سچ بھی ہو کہ آجکل سودی روپیہ کا لین دین زیادہ تر تجارتی اغراض کیواسطے ہے اگرچہ کم از کم ہندوستان کی صورت میں تو یہ بھی ٹھیک نہیں ہے تاہم کسی شہادت سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ جن وجوہ سے زیادہ سود خوری سے سختیاں عاید ہوتی تھیں وہ وجوہ اب نہیں ہیں دنیا میں اب بھی ایسے مفلس بکثرت ہیں جنکو اگر بلا سود قرض نہ ملے تو ان کو سود کی جس شرح پر قرض ملے لینا پڑیگا اور جب ایکدفعہ ایسا قرضہ لے لینگے تو پھر مشکل سے ہی کوئی ایسی صورت ان کی ابتری یا ناممکن ہوگا کہ قرضخواہ کے پنجہ سے نجات پا سکیں فضول خرچ لوگ اب بھی دنیا میں موجود ہیں بلکہ بہت زیادہ ایسے ہیں جو قرضہ لینے سے نہیں جھجکتے خواہ کیسی ہی بھاری شرح سود پر ملے جبتک کہ ایسا قرضہ دینے والا مل سکے اگرچہ ایسے قرضوں کا نتیجہ ایسا اگر بظاہر معلوم ہو سکتا ہے آخرکار واقعی تباہی ہوا کرتی ہے جو سود تجارتی اغراض کے قرضہ پر لیجاتا ہے خواہ کیسا ہی بے ضرر اور ضروری معلوم ہو مگر اس میں شک نہیں کہ جبتک کسی قسم کے سود کو بھی جایز دکھایا جاویگا سود خوری کی خرابی سوسائٹی میں سے دور نہیں ہوگی اور اخلاقی خرابی کا دھبا اس قانون پر لگے گا جو سود کو جایز قرار دیوے زیادہ سود لینے کو برا کہنا اور تھوڑا سود لینے کو روا رکھنا منہ سے ایک خرابی کو برا کہنا اور عملی طور پر اسکو دنیا میں پھیلانا ہے کوئی ایسی حد بندی نہیں ہو سکتی جسکی رو سے ایسے قرضہ میں جو تجارتی اغراض کیواسطے لیا جاوے اور اس روپیہ میں جو احتیاج کے وقت زندگانی کی خاطر قرض لیا جاوے فرق ہو سکے اور جب اس اخیری صورت میں سود کی وجہ سے خرابی کا پیدا ہونا مانا جاتا ہے تو گویا صاف طور پر سود کے اصولوں کی خرابی کو تسلیم کیا جاتا ہے علاوہ بریں یہ سمجھ نہیں آتا کہ کیونکر ایک قسم کے سود کو اخلاقی خرابی کہا جاتا ہے اور دوسری قسم کی سود خوری کو ضروری اور جایز ٹھہرایا جاتا ہے. جب کہ ہر دو کے مفہوم کا اصل ایک ہی ہے یہ کس طرح قیاس میں آوے ایک شخص کا فعل جو دس فیصدی سود لیتا ہے جایز یعنی اخلاق کے رو سے درست ہے اور ایک دوسرے شخص کا فعل جو بیس فیصدی سود لیتا ہے ناجایز یعنی ایک اخلاقی خرابی ہے اگر عیسائی اقوام کی ترقی کی یہی رفتار رہی کہ آج تھوڑی شراب نوشی جایز ہو گئی کل کو تھوڑی قمار بازی تیسرے دن تھوڑی سود خوری چوتھے دن تھوڑی زناکاری تو وہ دن بھی آ جائیگا جو ہر ایک قسم کی بدکاری تھوڑی تھوڑی جایز کرتے کرتے آخر اسکی کثرت کو بھی جایز کر دیا جاوے کیونکہ جسقدر بدکاریوں کی باتیں تھیں ان سب کو تو ایک حد تک جایز قرار دے لیا ہے. باقی بدیاں خود ان سے پیدا ہو جائیں گی.

جس دلیل کی رو سے عیسائی ممالک نے سود کو قانوناً جایز قرار دیا ہے وہ یہ ہے کہ مذہب کسی شخص کے ان حقوق

میں کوئی دست اندازی نہیں کر سکتا جو اسکو اپنے روپیہ کے استعمال کی اجازت دیکر اپنی دولت بڑہانے کیواسطے حاصل ہیں اور یہ کہ عیسائی مذہب میں جو ممانعت تھی وہ ایک متوسط حد کے سود کی بابت نہ تھی بلکہ ایسی بھاری شرح کے سود کے واسطے تھی جس سے قرضدار کی تباہی ہو اسی طرح پر جیسا کہ میں ابھی بیان کیا ہے عیسائی ممالک نے اور کئی خرابیاں قانوناً جائز ٹھہرادی ہیں مثلاً کہا جاتا ہے کہ گاہے گاہے تھوڑی سی شراب پی لینا کوئی نقصان نہیں کرتا بلکہ محنت سے تھکے ہوئے انسان کیواسطے ایک مقوی دوا کا کام دیتی ہے اور قماربازی بھی اگر کبھی کبھی اور تھوڑی تھوڑی رقوم کی شرط پر کیجاوی تو کوئی ضرر نہیں کرتی بلکہ دماغی یا جسمانی محنت کے بعد راحت پہنچاتی ہے بعینہ انہی وجوہات پر جواز سود کی دلیل پیش کیجاتی ہے کیونکہ کہا جاتا ہے کہ متوسط درجہ کے سود سے وہ خرابیاں نہیں پیدا ہوتیں جو بھاری سود خوری سے جو ممنوع ہے پیدا ہوتی ہیں بلکہ اس سے کفایت شعاری اور پس انداز کرنیکی تحریک ہوتی ہے اس سے ظاہر ہے کہ عیسائی مذہب نے ایک سچے مذہب کا کام نہیں دیا اور نہ آئندہ قابل ہے اسکا اثر عیسائی قوموں پر بہت ہی کمزور ہے کیا دنیا میں صرف شراب ہی ایک مقوی دوا ہے؟ اور صرف قماربازی ہی ایک تفریح رہ گئی ہے؟ اور صرف سود پر روپیہ چلانا ہی ایک تحریک پس اندازی کے واسطے ہے؟ نہیں بلکہ اور بھی بہت سے طریقے ہیں جن سے یہی اغراض پوری ہو سکتے ہیں سچے مذہب کا یہ کام ہے کہ ایک طرف تو انسانوں کو ان راہوں سے روکے جن پر چلکر وہ مخرب تباہ ہوں یا ان کی اخلاقی یا روحانی ترقی میں فرق آوے اور دوسری طرف ایسی راہیں پیش کرے کہ جن پر چلکر انسان اس دنیا میں بھی اقبالمند ہوں اور ساتھ ہی ان کی اخلاقی اور روحانی حالت اعلیٰ درجہ پر رہے لیکن یہ کہنا کہ مذہب کو نہیں چاہیئے کہ کسی شخص کو ایسے ذرایع اختیار کرنے سے روکے جن سے اسے فوراً کوئی خوشی یا فائدہ پہنچ سکتا ہے خواہ انکے نتایج کیسے ہی مضر اور مہلک کیوں نہ ہوں گویا بدیوں کے خطرناک سیلاب کا بند انکے لئے کھولدینا ہے میں پھر کہتا ہوں کہ مذہب کا یہ منشا نہیں ہے کہ ہر ایک ممکن طریقے سے دنیاوی فائدہ ہی پہنچا وے خواہ اخلاقی اور روحانی حالت پر اسکا کیسا ہی برا اثر ہو بلکہ مذہب کا مدعا یہ ہے کہ اخلاقی اور روحانی ترقی کمال کو پہنچے اور اس اخلاقی اور روحانی ترقی میں کوئی چیز اسکی سدراہ نہ ہو اگرچہ دنیاوی اغراض کا کسی قدر نقصان بھی ہو کیونکہ اگر مذہب کا اصلی منشاء انسان کی اخلاقی اور روحانی تکمیل ہے تو دنیاوی فوائد پر اخلاقی فوائد کو مقدم رکھنا پڑے گا جہاں پہلا ان میں سے دوسرے کے سدراہ ہو۔

اس مضمون کو زیادہ واضح کرنیکے لئے میں اسکی اور بھی تشریح کرتا ہوں انسان کے ذمہ دو قسم کے فرائض ہیں ایک خدا تعالیٰ کے متعلق اور دوسرے انسانوں کے متعلق اور مذہب کا یہ کام ہے کہ ان ہر دو قسم کے فرائض کے ادا کرنیکی ٹھیک راہ بتاوے ہر ایک انسانی غرض میں یہ دونوں امر ملحوظ رہنے چاہیئیں انسانوں کے متعلقہ فرائض کے لئے یا یوں کہو کہ سوسائٹی کی بہبودی کے واسطے بعض حقوق دنیاوی فواید کے انسان کو ترک کرنے پڑیں گے اسی اصول پر سود خوری کو برا کہا جاتا ہے اور اسی اصول پر معمولی سود خوری بھی ترک کرنی چاہیئے

جب کوئی شخص کسی حاجتمند کو قرض دیتا ہے اور اسکو اپنا اصل روپیہ واپس لینے کی پوری امید نہیں ہوتی ہے تو ظاہر صورت میں وہ اپنے سرمایہ کو زیادہ خطرہ میں ڈالتا ہے بہ نسبت اس شخص کے جو تجارتی غرض کیواسطے کسی کو روپیہ دیتا ہے کیونکہ ایسے شخص کو تجارتی مال بطور اپنا روپیہ وصول کرنے کی امید تو ہوتی ہے یورپ امریکہ والوں کے اخلاقی معیار کے بموجب جو شخص نقصان کے زیادہ خطرہ میں پڑے وہ زیادہ شرح پر سود لینے کا مستحق ہے اور حقیقت میں تجارتی کاروبار میں ایسا ہی ہوتا رہتا ہے جہاں سود کی شرح کی کمی بیشی مقروض کے اعتبار پر موقوف ہوتی ہے پس اگر جواز سود کی دلیل کو صحیح سمجھا جاوے تو سود کی بھاری شرحیں جنکو ناجایز سودخوری کے نام سے پکارا جاتا ہے کسی صورت میں قابل اعتراض نہیں ہو سکتیں لیکن مذہبی اخلاقی معیار کے بموجب اس سوال کی صورت ہی اور ہے بشرطیکہ دنیا پرستوں کے اخلاقی معیار کا رنگ اس پر نہ چڑھایا جاوے ہمارا مذہب ہمکو یہ تعلیم دیتا ہے کہ اگر ہمارا بھائی حاجتمند ہو اور ہمکو بھی اسکے ساتھ ہمدردی ہو تو ایسی صورت میں کہ مدد کرنا ہمارا فرض ہے مذہب نہ صرف یہی بتلاتا ہے کہ ایسی حالت میں ہمیں سود نہ لینا چاہیے بلکہ ہمیں سخاوت کی طرف بھی بلاتا ہے اسمیں شک نہیں کہ جب ہمارا بھائی حاجتمند ہو تو ایک بڑا موقع ہمکو بڑی بھاری شرح سود پر روپیہ قرض دینے کو تیار ہو رہا ہے دیکر ہم اپنی دولت بڑھاویں لیکن یہی وہ موقع ہے ہمدردی اور مدد کا اگر ہم بغیر کسی قسم کا نقصان اٹھانیکے بغیر تو ہم کوئی ہمدردی کا کام بھی نہیں کرسکتے پس اگر تمام کاموں میں ہماری اپنی منفعت ہی ہو تو ہمدردی انسانی کا مادہ بہت جلد معدوم ہو جاویگا حالانکہ اس نیکی کی قوت کو عمل میں لانا مذہب کے نزدیک ایک بڑا ضروری فرض ہے

عیسائی ممالک کا سودخوری کو قانونا جایز ٹھہرانا اس امر کو ثابت کرتا ہے کہ یا تو عیسائی مذہب نے ابنائے جنس کے متعلق دستور العمل میں اسکی حقیقت ہی نہیں سمجھی یا نہایت ہی ذلیل ہو کر اپنے پیرووں کے دنیاوی اغراض کی ماتحتی اختیار کر لی ہے مذہب میں اشتراکی جیسے جو شاید مساوات کے خیالات کی طرف میلان رکھتا تھا یا تو یسوع کے زمانہ کی نسبت بادشاہت کا حاصل کرنا زیادہ آسان ہو گیا ہے یا عیسائی اب خدا کی بادشاہت کے سوا کوئی اور بادشاہت تلاش کرنے لگ گئے ہیں یسوع نے صاف طور پر لکھا تھا کہ "جو کوئی تم میں سے اپنے سارے مال سے کنارہ نہ کرے میرا شاگرد نہیں ہو سکتا" لیکن آجکل جو لوگ یسوع کے شاگرد ہونے کا دعوی کرتے ہیں جنکو موقع ملے تو اپنے بھائیوں کا سارا سارا اثاثہ لینے میں بھی کوئی تامل نہیں کرتے استاد کی تعلیم کے بموجب یہ ضروری تھا کہ دولتمند آدمی اپنی ساری جایداد فروخت کر کے قیمت مساکین کو دیدیوے تاکہ وہ آسمانی بادشاہت میں داخل ہونیکے قابل ہو جاوے لیکن انکی بیسویں صدی کے شاگرد ایک طرف تو بنی کفایت شعاری کے قوانین سے اسکی تعلیم کو رد کرتے ہیں اور دوسری طرف اس بادشاہت میں داخل ہونیکا ذریعہ صرف یہ قرار دیا ہے کہ ہر ایک ممکن طریق سے اپنی دولت بڑھائی جاوے خواہ اس سے بنی نوع پر کیسی ہی سختی اور بربادی آوے اس مذہب کی حالت بہت ہی قابل افسوس ہے جسکا بانی اسکے اپنے قول کے بموجب ایک پہلو میں حد سے بڑھ گیا اور اسکے پیرو دوسرے پہلو میں حد سے گذر گئے۔

مذہب اسلام اور اسکے پیرو دونوں کیواسطے ہر صورت میں بہا ضروری کا زرّین اصول مقرر کیا تھا اس بیچارے عظیم الشان مذہب اسلام
نے نہ تو صدق شعار کرکے کسی کے ایسے حقوق سے جو اُسے اپنی جائداد کے متعلق حاصل ہیں انکار کیا ہے بلکہ ہر شخص کو اسکی محنت
اور ہنر کی کمائی کا مالک قرار دیا ہے اور نہ ہی خود غرضی کے تمام مطالب پورا کرنے اور اپنی دولت کو ترقی دینے کے تمام وسائل
کو جائز ٹھہرایا ہے ممکن ہے کہ بعض اوقات کسی کے دنیاوی فائدہ کا اخیری نتیجہ اسکا اپنا یا سوسائٹی کا نقصان ہو یا کسی بنی
نوع انسان پر سختی عاید ہوتی ہو تو ان صورتوں میں ایسے شخص کو ایسے مفاد کے حصول سے منع کیا گیا ہے اسی اصول پر
قماربازی کی ممانعت ہے جسکی نسبت قرآن میں یوں آیا ہے کہ اسکا نقصان اُسکے نفع سے بدرجہا بڑھکر ہے۔ جو
بعض وقت حاصل ہونا ممکن ہو اور اسی اصل پر ہی ہر قسم کے سود کو قرآن شریف نے حرام ٹھہرایا ہے کیونکہ اسمیں غربا پر سختی ہوتی
ہے جس کے ذریعہ روپیہ نکلکر ان لوگوں کی جیبوں میں جاتا ہے جنکے پاس پہلے ہی بہت ہے۔ مذہب اسلام کو اس مسئلہ کو حل کرنا منظور
نہ تھا کہ جو پہلے ہی دولتمند ہیں وہ زیادہ دولتمند کیونکر بنجاویں بلکہ یہ کہ غربا کیونکر نیک رہکر آسایش سے زندگی بسر کرسکیں
اور اس مطلب کے حاصل کرنیکے واسطے ضروری تھا کہ سود کی ممانعت کیجاوے شاید یہ اعتراض کیا جاوے کہ اس مسئلہ کو مذہبی رنگ
دینے کی کیا ضرورت تھی بلکہ عدالت ہائے دیوانی کے اختیار پر چھوڑ دینا کافی تھا جو ایسی حالتوں میں کوئی سود نہ دلاتیں
جہاں غربا پر سختی کا احتمال ہوتا اور تجارتی معاملات میں سود دلایا جاتا یہ اعتراض اصل میں خرابی کی حقیقت کو نہ سمجھنے سے پیدا
ہوتا ہے اول تو تجارتی سود خواہ موجودہ تجارتی حالات کے رو سے کیسا ہی ضروری معلوم ہوتا ہو اُن بد نتائج سے خالی نہیں
ہے جو خاص سود خوری کے معاملات میں پیدا ہوتے ہیں تجارت کا انحصار صرف سرمایہ پر ہی نہیں اسکے لئے محنت
بھی درکار ہے اور اسلئے نفع یا نقصان میں دونوں کو شریک ہونا چاہیئے لیکن جو قانون سود کو جائز ٹھہراتا ہے وہ سرمایہ دار ۲
کو منافع کا حصہ تو دلاتا ہی لیکن نقصان میں شریک نہیں کرتا اور ساری نقصان کا تحمل اس شخص کو ہونا پڑتا ہے جو محنت اور
ہنر خرچ کرتا ہے بلکہ سارا نقصان سرمایہ دار کو برداشت کرنا پڑتا تو بات کسی قدر معقول ہوتی کیونکہ وہ ایسے نقصان کا تحمل
ہو سکتا ہے اور اسکے تو صرف سرمایہ میں ہی کسیقدر کمی ہوتی لیکن سارا نقصان محنت والے پر ڈالنا عین بے انصافی ہے کیونکہ اسکی
کل کی کل محنت ہی اکارت گئی بلکہ ساتھ ہی اسکو خطرناک تباہی کا منہ بھی دیکھنا پڑا علاوہ ازیں بہ نسبت سرمایہ کے محنت زیادہ
قیمتی ہے اور اسی وجہ سے جو اشیاء محنت سے تیار ہوتی ہیں انمیں بہ نسبت سرمایہ کے محنت کا زیادہ حصہ ہے غرضیکہ سرمایہ دار کو منافع
میں شریک کرنا اور نقصان کی صورت میں الگ رکھنا محنت والے کے حق میں سب سے بڑی بے انصافی ہے اور روپیہ کی حد سے زیادہ
قدر کرنا ہے پس جو قانون سود کو جائز ٹھہراتا ہے گویا اسکا مدعا ہے کہ ایسے اشخاص کو تباہ کرنیکا ہے جو دوسرے کے سرمایہ پر محنت خرچ
کرتے ہیں جہاں بد قسمتی سے اتفاقاً کسی معاملہ میں نقصان ہو جاوے اور حقیقت میں ہر روز صدہا ایسے واقعات ہوتے ہیں جنمیں کہ صرف
ایک حصہ بذریعہ عدالت ہائے دیوانیہ ظاہر ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ تجارتی سود سے وہی نقصانات پیدا ہوتے ہیں جو معمولی سود کے
اور ان دونوں کے درمیان امتیاز کرنا بھی درحقیقت ناجائز سود خوری کا دوسرا نام رکھکر اس کو جائز کرنے کے واسطے ایک

خود نفس نفی کا حیلہ ہے اصل میں خواہ قرض لینے والا تاجر ہو یا کاشتکار یا کوئی اور شخص ہو اس سے کوئی فرق نہیں آتا بس یہ ممانعت بالکل لغو
ہو کہ ایک پیشہ والے سے سود لیا جاوے اور دوسرے سے نہیں ممانعت تو قرض دیے ہوئے روپے پر مقررہ شرح سود کی ہونی چاہیے
جس بیان سے واضح ہے کہ کیوں اسلام نے ہر ایک قسم کے سود کو ناجائز ٹھہرایا ہے خرابی کی جڑ یہی مقررہ شرح سود کی ہے کہ
قرض دینے والے کو خواہ کیسا ہی نقصان ہو قرض کا روپیہ برابر بڑھتا رہتا ہے پس سود کے جواز کا یہ اثر ہے کہ انسانوں کا ایک
فریق یعنی وہ فریق بھی ایسا جو ابنائے جنس کی طرف سے امداد کا محتاج ہے طاقت سے زیادہ بوجھ کے نیچے دب رہا ہے اور
ایک دوسرا فریق اپنے حق سے بھی زیادہ پا رہا ہے شرح سود کی کمی بیشی جس پر جائز و ناجائز سود کے امتیاز کا انحصار ہے ایسا
کوئی فرق نہیں [illegible] اس بوجہ امتیاز کا اگر کوئی فائدہ بتایا جاسکتا ہے تو یہ ہے کہ بھاری شرح سود سے زیادہ نقصان پہنچیگا
گو زیادہ سود دینے والا اسکے برخلاف یہ دلیل پیش کرسکتا ہے کہ بھاری شرح سود کی عیاش آدمی کو اندھا دھند قرض لینے سے
[illegible] غرض اگر زیادہ شرح سود اور کم شرح سود میں کوئی فرق ہے بھی تو نقصان کی کمی بیشی میں ہے یعنی کیفیت میں نہ
ماہیت میں تجارتی سود کی ایک صورت بھی ہے جو اقسام مذکورہ کی طرح ہی نقصان دہ ہے وہ یہ ہے کہ تجارتی معاملات میں
اکثر یہ ہوتا ہے کہ مال خرید کردہ کی قیمت اسی وقت ادا نہیں کی جاتی ہے یا اسکا ادا کرنا ممکن نہیں ہوتا ایسی صورت میں
سود کی مدد سے کام لیا جاتا ہے ایک سرسری نظر سے دیکھنے والا انسان خیال کریگا کہ ایسی صورت میں تو دونوں طرف سے
بایع و مشتری دونوں کو سہولت ہوگی لیکن گہری نظر سے دیکھنے پر معلوم ہوسکتا ہے کہ ایسی صورت میں بھی کسی ممکن فائدہ کی
نسبت نقصان بہت ہی زیادہ ہے اس صورت میں وہ نقصان تو بدستور رہا جو روپیہ قرض لینے کی صورت میں بیان کیا گیا ہے اور
اسپر علاوہ یہ کہ اسکا اثر عوام تک بھی پہنچتا ہے ظاہر ہے کہ جس تاجر کو علاوہ قیمت مال کے سود بھی ادا کرنا پڑے گا وہ بوقت
فروخت اپنے مال کی قیمت اسقدر زیادہ وصول کریگا جس سے سود کی رقم بھی پوری ہو جاوے اس صورت میں یہ نقصان ان لوگوں کو
برداشت کرنا پڑیگا جو اسکا مال خریدتے ہیں پس ملک کا فائدہ تو اسی میں تھا کہ یا تو سود [illegible]
جس پہلو سے دیکھا جاوے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ قرضہ کے سود سے خواہ تجارتی معاملہ کے واسطے ہو خواہ کسی دیگر غرض کیلئے بہ نسبت کسی ممکن فائدہ کے
نقصان بہت ہی زیادہ ہے۔

اب معلوم ہوگیا کہ کیوں اسلام نے سود کی حرمت کو [illegible] سود خواہ کسی صورت میں لیا جاوے یہ ایک [illegible]
ہے جو انسانی ترقی کی سد راہ ہے نہ صرف اخلاقی و روحانی حیثیت سے بلکہ دنیاوی لحاظ سے بھی۔ کیونکہ انسانی ترقی کا یہ
منشا نہیں ہے کہ معدودے چند اشخاص غیر معمولی طور پر دولت مند ہو جاویں بلکہ یہ مدعا ہے کہ تمام مسلمانوں کی
عام حالت جن میں غربا بھی داخل ہیں بہتر ہو جاوے اسلئے اسلام کا پیغام صرف یہی نہیں تھا کہ سود خوری کی
صرف ممانعت بیان کر دیوے بلکہ اس بڑی خرابی کی نسبت اپنے پیرووں کے دلوں میں ایک نفرت بٹھانا تھا۔
کیونکہ جب تک یہ نہ کیا جاتا تو قانون کی گرفت کے بچنے کے واسطے ہزاروں حیلے تراشے جاسکتے تھے جیسا کہ عیسائی

مذہب کے حال سے روشن ہے اسی وجہ سے قرآن مجید نے جیسا کہ میں آئندہ بیان کرونگا سود کی حرمت بڑے پُرزور الفاظ میں بیان کی ہے کیونکہ اگر اس خرابی کا نقصان پورے طور پر ذہن نشین نہ کیا جاتا تو سود پر قرضہ دینے کی محض ممانعت اسکے انسداد کے واسطے کافی مؤثر نہ ہوتی اگر سود کی ممانعت صرف سول قانون کی شکل میں ہوتی تو ایسے قانون کو بالائے طاق رکھنے کے واسطے کئی حیلے بہانے پیدا ہو جاتے اور پھر ایسے قانون کی خلاف ورزی کی سزائیں بجائے سودخوری کو روکنے کے اور بھی اس خرابی کے پھیلنے کا باعث ہوتیں اسلئے اسلام نے سودخوری کو قانوناً ممنوع ٹھہرانے پر ہی بس نہیں کی بلکہ اسکی حرمت کو ایسا ہی دین کا جزو قرار دیا ہے جیسا کہ قماربازی شرابخوری یا لحم خنزیر کھانے کی حرمت کو یہی وجہ ہے کہ اسلام میں آجتک سودخوری سے وہی نفرت ہے جو سور کھانے سے اور حسن اتفاق سے ان ہر دو ناموں یعنی سود اور سور میں ایسی مشابہت لفظی ہے کہ ایک کے ذکر سے جھٹ دوسرے کا خیال بھی آجاتا ہے اسی وجہ پر جب کسی مسلمان کی نسبت معلوم ہو جاوے کہ وہ سود کھاتا ہے تو مسلمان کہا کرتے ہیں کہ وہ سور کھاتا ہے اس طرح پر مذہب اسلام سود کی نفرت مسلمانوں کے دلوں میں جمانے میں کامیاب ہوا ہے اس کا نیک اثر اس ہمدردی سے معلوم ہو سکتا ہے جو مسلمانوں کو اپنے غریب بھائیوں سے ہوتی ہے ایسی بہت سی مثالیں ہیں کہ مسلمان مالک زمین نے اپنے کاشتکاروں کا مالیہ فصل کے نہ ہونے کی صورت میں معاف کر دیا لیکن سود لینے والے کا یہ حوصلہ کبھی نہیں ہو سکتا بلکہ وہ اپنے سود در سود کی رقم کو پورا کرنے کے لئے ہر طرح کے ظلم اور بیرحمی کا مرتکب ہوتا ہے یہانتک کہ اگر اسکو معلوم ہو کہ اسکے بھوکے قرضدار کو صرف ایک ہی لقمہ خوراک کا ملا ہے تو وہ اسے چھیننے میں تامل نہیں کریگا اور نہ ہی سخت سے سخت مفلس کو ایک کوڑی بھی چھوڑنے کا روادار ہوگا یہ نمایاں فرق جو دو پاس پاس رہنے والی قوموں کی ہمدردی کی صفت میں پایا جاتا ہے بوجہ سودخوری کی تاثیر کے ہی ہے الغرض اسلام کا مدعا صرف سودخوری کی ممانعت ہی نہ تھا کیونکہ ایسی ممانعت کو تو سنگدل دنیا پرست چالاکی کے حیلوں سے ٹال سکتے تھے) بلکہ ساتھ ہی یہ غرض بھی تھی کہ انسانوں میں ہمدردی کا اعلیٰ جوش پیدا کرے جو صرف اسی صورت میں ہو سکتا تھا کہ سودخوری سے سخت نفرت ہو یہ مدعا سودخوری کی حرمت کو مذہبی رنگ میں رنگنے سے ایسی خوبی سے حاصل ہو گیا کہ مسلمانوں کو سودخوری سے ابتک نفرت چلی آتی ہے اور کوئی مسلمان کھلم کھلا اس کی خلاف ورزی کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا ہے اس پاک انسان کی روحانی طاقت کیسی اعلیٰ اور اس کی اخلاقی تاثیر کیسی زبردست تھی جس نے ایک ہی اشارہ سے ان راسخ شدہ خرابیوں کو صفحہ دنیا سے محو کر دیا۔ صلی اللہ علیہ وسلم

مسلمان اگر اس اعلیٰ درجہ کی کامیابی پر فخر کریں تو بجا ہے کہ اسلام نے انکی قوم میں سے سودی قرضہ دینے کی رسم کی بیخکنی کر دی ہے جب کہ یہ خرابی آجکل کی بڑی سے بڑی مہذب قوم میں پھیلی ہوئی نظر آتی ہے لیکن یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ یہ مہذب اقوام اس بدرسم کے نقصانوں سے بیخبر ہیں انکے بڑے بڑے اہل الرائے نے بدرسم کی ایسی کامل حالت کا نقشہ کھینچتے ہیں جیسے کہ ان کا دلی منشا ہے کہ انکی ایسی سوسائٹی ہو تو سود کی ممانعت

ممانعت کی ضرورت کو تسلیم کر چکے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی انسانی سوسائٹی مکمل ہونیکا دعوے نہیں کر سکتی جہاں مقررہ شرح سود پر روپیہ دینے کی رسم جاری ہو مسٹر ولز کی حال ہی کی تصنیف ماڈرن یوٹوپیا میں جہاں ایک ایسی سوسائٹی کی حالت بیان کی ہے جسمیں انسانی ضروریات کے تمام پہلو پائے جاتے ہیں اور یوں اسکو نہ صرف مکمل ہونیکا بلکہ عملی ہونے کا امتیاز بھی حاصل ہو اس موقع پر فاضل مصنف حالت سیارت مدنی فرضی ملک یوٹوپیا کے بیان میں یوں رقمطراز ہے "مجھ اس امر میں شک ہے کہ آیا یوٹوپیا کے لوگ خاص قسم کے حصص کو پسند کرینگے یا اجرائے سکہ کاغذی کو اور خصوصاً یہ کہ آیا سود خوری یعنی مقررہ شرح سود پر قرضہ دینے کی یوٹوپیا میں اجازت بھی ہوگی یا نہ"

اس بیان سے دو بڑے نتیجے نکلتے ہیں اول تو یہ کہ مغربی ممالک کے مصنفین بھی تسلیم کرتے ہیں کہ حال کی مہذب اقوام میں جو سود خوری کا رواج ہے وہ سوسائٹی کی اعلیٰ حالت کے شایان نہیں ہے دوئم اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ موجودہ تعریف سود [illegible] ہے محض بے دلیل ہے کیونکہ اس برائی کی جڑھ تو صرف مقررہ شرح سود پر روپیہ دینے میں [illegible] سود کی [illegible] قرضہ دینے والے کی حالت کی وجہ سے ایک اور موقع پر اپنی کتاب کے نویں فصل میں سود خوری کے [illegible] مصنف نے لکھتا ہے کہ ابتدا میں سوسائٹی [illegible] اس فرضی ملک یوٹوپیا کے باشندوں [illegible] سود خوری یعنی مقررہ شرح سود پر روپیہ قرض دینے کی ممانعت تھی اب بھی انکو وہی ممانعت ہے لیکن چونکہ [illegible] تو وہ سود خوری کو بالکل ممنوع ٹھہراتے ہیں اور نہ ہمارا قانون غریب لوگوں کو اپنی آسایش کے لئے سودی معاہدے کرنیکی اجازت دیتا ہے اسلئے اب سود کی ممانعت کی ضرورت بھی نہیں رہی اہل یوٹوپیا کے نزدیک بات بڑی مکروہ ہے کوئی شخص [illegible] اور ایک مفلس مقروض کو معرض خطر میں ڈالکر زیادہ دولتمند بنے اور اب ہمارے احکام اس بات پر زور دیتے ہیں کہ زر منخولہ قرضدار کے نفع و نقصان دونوں میں شریک ہو" اس بیان کی صداقت میں کسی معقول پسند کو انکار نہیں ہوسکتا ہے دولتمندی بڑائی کا معیار نہیں ہے اور نہ قوم کے بعض افراد کا دولت جمع کرنا اس قوم کی اقبالمندی کی [illegible] ہے دنیا پرستی کے خیالات نے عیسائی سوسائٹی کو اس غلط فہمی میں مبتلا کر دیا ہے کہ دولت جمع کرنے کے وسائل ہی بھی خوشی کے وسائل ہیں اس سوسائٹی کے ہر فرد کا اصلی مدعا یہ ہوتا ہے کہ کیونکر دولتمند ہو اور اسی لئے سود خوری کا نام جائز سود رکھکر اسکو قانوناً مروج کر لیا ہے لیکن ایسے خیالات سوسائٹی کی اعلیٰ حالت کے مناسب نہیں ہیں کیونکہ ان سے خودغرضی اور سخت دلی پیدا ہوتی ہے۔ سوسائٹی کی اعلیٰ حالت کا نقشہ پیش کرتے وقت مسٹر ولز کہتا ہے "دولت ہرگز کوئی طاقت نہیں ہے جبتک کہ تم خود اسے طاقت نہ بنالو اگر تمہاری دنیا میں یہ طاقت سمجھی جاتی ہے تو بے عقلی کی وجہ سے ہے دولت ایک گورنمنٹ کی ساختہ چیز ہے ایک سیدھی بات اور سب سے بڑھکر مصنوعی طاقت ہے معلوم ہوتا ہے کہ تم نے اپنی دنیا میں آرام۔ حرکت۔ ہر قسم کی آزادی زندگی کو بھی قابل خرید و فروخت بنا دیا ہے بس تم بڑے ہی بے عقل ہو ایک غریب محنت کرنیوالا شخص تمہارے نزدیک مصیبت اور خوف میں ہی [illegible] تعجب نہیں کہ تمہارے دولتمند کے پاس طاقت ہے لیکن یہاں ہر شخص معقول آرام و شائستہ زندگی بغیر اپنے آپکو دولتمند

کر باس نہ پہنچنے کے بآسانی حاصل کر سکتا ہے"۔ یہ ایک ایسی سوسائٹی کا نقشہ ہے جو اسلام کے سچے اصولوں کا پابند ہو کر بن سکتی ہے اور اس سے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال فراست اور اعلیٰ فضیلت ظاہر ہوتی ہے کہ آپ نے دنیا میں ایک ایسی سوسائٹی کی بنا رکھی جو بڑے ترقی یافتہ اہل الرائے کی اعلیٰ سے اعلیٰ خواہشوں کے مطابق ایک پوری اعلیٰ سوسائٹی کا نقشہ ہے ذیل کے اقتباس کو اگرچہ مضمون زیر بحث سے کوئی تعلق نہیں ہے مگر اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عیسائیوں کو ایسی پاکیزہ سوسائٹی کا کتنا شوق ہے جنکی بنا تیرہ سو سال ہوئے مذہب اسلام نے مسلمانوں میں قائم کی سموا ائی یعنی یوٹریا کے باشندوں کی نسبت مسٹر ولز اس طرح لکھتا ہے کہ "ناٹکوں کے تماشے کرنے راگ اور مشاعرے کہنے کی ان کو ممانعت ہے اگرچہ تقریر کرنی یا بحث مباحثہ کا انکو اختیار ہے لیکن سوانگ بھرنے کو یعنی کسی مرد یا عورت کیواسطے صرف ایک ذلت کی بات ہی نہیں بلکہ اس سے روح کمزور اور فاسد ہوتی ہے۔ بیوقوفی کی یہانتک نوبت پہنچتی ہے کہ دل جھوٹی تعریف کا خواہاں ہو جاتا ہے۔ اور عمدہ اوصاف کی بھونڈے پیرایہ میں جھٹ پٹ نقل اتارنے میں حد سے زیادہ مہارت ہو جاتی ہے۔ ہمارا تجربہ ہے کہ ناٹکوں میں حصہ لینے والے مرد اور عورتیں سب کے سب کمینہ رذیل اور جھوٹے لوگ ہوتے ہیں"۔ غرضیکہ خواہ تعصب کچھہ عرصہ تک کیسی ہی مشکلات اشاعت اسلام کی راہ میں ڈالے اب صاف صاف نظر آرہا ہے کہ اسلام کے اصولوں کو تسلیم کرنیکے واسطے دنیا تدریجی ترقی کر رہی ہے۔

عیسائی ممالک میں ایک فریق کے دولتمندی میں بڑھتے جانے اور دوسرے فریق کے افلاس میں ترقی کرتی جانے نے مغربی عقلا کو بھی بہت فکرمند کیا ہوا ہے اور دولت کی اس غیر مساوی تقسیم کے متعلق بہت سی تجاویز ہیں جن میں سے بعض قابل عمل ہیں اور بعض بالکل ناممکن آئے دن رسالوں اور کتابوں میں بحث ہوتی رہتی ہے مختلف ممالک کا سرمایہ یوماً فیوماً تھوڑے اشخاص کے قبضہ میں آرہا ہے اس سے اب سوشلزم یعنی انسانی مساوات کے طریقہ کی تحریک پیدا ہوئی ہے خواہ کیسی ہی ناممکن ہو مگر اس سے اتنا پتہ لگتا ہے کہ اب دولت کی اس قسم کی تقسیم کی طرف خیالات جھک رہے ہیں جو مساوی نہ ہو تو کم از کم بہت غیر مساوی بھی نہ ہو یعنی ایسا نہ ہو کہ بعض لوگ کروڑ پتی بنجاویں اور انکے دیوار بدیوار رہنے والے ہمسائے نان شبینہ کے بھی محتاج ہوں مفلسوں اور بیکاروں کی تعداد روز مرہ بڑھ رہی ہے اور بیشمار روپیہ اس قسم کے لوگوں پر خرچ ہوتا ہے ان خرابیوں کے تدارک کے لئے اسلام نے تین طریقے بتلائے ہیں جن پر کاربند ہونے سے دولت کی تقسیم جہانتک انسانی حالات کو مدنظر رکھکر ممکن ہے برابر نسبت سے عمل میں آسکتی ہے کیونکہ پوری پوری مساوات تو بالکل ناممکن ہے۔ یہ تین قسم کے علاج ان اصولوں میں داخل ہیں جو اسلام نے صدقات حرمت سود تقسیم میراث کے قانون کے متعلق بیان کئے ہیں ان میں سے ہر ایک مضمون پر علیحدہ بحث کی ضرورت ہے لیکن صدقات کے اصول جنکی اسلام تعلیم دیتا ہے اور حرمت سود کا ایکدوسرے سے بہت تعلق ہے اور اسی وجہ سے قرآن مجید نے ہر دو کا یکجا ذکر کیا ہے۔

حرمت سود کے مضمون کی تمہید میں قرآن شریف صدقات کے فوائد و برکات کا بیان کرتا ہے چنانچہ فرمایا ہے مثل الذین ینفقون اموالهم فی سبیل الله کمثل حبة انبتت سبع سنابل فی کل سنبلة مائة حبة والله یضعف لمن یشاء والله واسع علیم ۝ الذین ینفقون اموالهم فی سبیل الله ثم لا یتبعون ما انفقوا منا ولا اذی لهم اجرهم عند ربهم ولا خوف علیهم ولا هم یحزنون ۝ ومثل الذین ینفقون اموالهم ابتغاء مرضات الله وتثبیتا من انفسهم کمثل جنة بربوة اصابها وابل فاتت اکلها ضعفین فان لم یصبها وابل فطل والله بما تعملون بصیر ۝ (البقرہ رکوع ۳۵) "جو لوگ اپنے مال خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اس دانہ کی مانند ہے جس میں سات بالیاں لگیں اور ہر بالی میں سو دانہ ہوں اور خدا تعالیٰ جسکو چاہتا ہے کئی گنا دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا دینے والا اور جاننے والا ہے جو لوگ اپنے مال خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور پھر جو کچھ انہوں نے خرچ کیا اسکے بعد کسی طرح کا احسان نہیں جتلاتے اور نہ ایذا ہی دیتے ہیں خدا کے ہاں اپنا اجر پائیں گے اور نہ انکو کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہونگے اور جو لوگ خدا تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنیکے لئے اور اپنی ثابت قدمی سے اپنے مال خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایک باغ کی مانند ہے جو پہاڑ پر ہو جہاں عمدہ بارش ہوتی ہو تو وہ دو چند پھل دیتا ہے اور اگر بھاری بارش نہ ہو تو اس کو ہلکی پھوار ہی کافی ہوتی ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسکو دیکھ رہا ہے"

اور جو چیز خیرات میں دینی چاہیئے اسکے متعلق یوں بیان فرماتا ہے یا یها الذین امنوا انفقوا من طیبت ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض ولا تیمموا الخبیث منه تنفقون ولستم باخذیه الا ان تغمضوا فیه واعلموا ان الله غنی حمید (البقرہ رکوع ۳۶) "اے مومنو ان عمدہ چیزوں میں سے خرچ کرو جو تم نے اپنی کمائی سے حاصل کی ہیں اور جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کیں اور ایسی بری چیز کے دینے کا ارادہ نہ کرو جو تم خود بھی بغیر آنکھ بند کئے نہیں لے سکتے"

جو لوگ صدقات لے سکنے کے مستحق ہیں ان کے بارہ میں یوں ارشاد ہے للفقراء الذین احصروا فی سبیل الله لا یستطیعون ضربا فی الارض یحسبهم الجاهل اغنیاء من التعفف تعرفهم بسیماهم لا یسئلون الناس الحافا وما تنفقوا من خیر فان الله به علیم (البقرہ رکوع ۳۶) صدقات ان غیر مستطیع لوگوں کو دینے چاہئیں جو خدا کی راہ میں روکے گئے ہیں (اور تلاش معاش یا تجارت کے لئے ملک میں سفر نہیں کر سکتے) چونکہ وہ حیا کے باعث سوال نہیں کرتے ناواقف انکو دولتمند خیال کرتا ہے تو اس علامت سے انکو پہچان لے گا کہ وہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے اور جو مال تم اللہ کی راہ میں خرچ کروگے اللہ تو اسکو جانتا ہی ہے"

یہ تمام مضمون قرآن شریف میں حرمت سود کے احکام کی تمہید کے طور پر آیا ہے اس میں صدقات کی تاکید

کی گئی ہے اور اسکو اصلی وجہ کے برکات کا باعث کہا گیا ہے کبھی اسکی تمثیل ایک بیج بونے سے دی ہے جس کے ایک ایک دانے کا پھل سات سات سو دانہ ہو اور کبھی اسکو ایک باغ سے مشابہت دی ہے جو دو چند پھل دیوے پھر صدقات میں ایسی چیزوں کے دینے کی ہدایت کی ہے جو عمدہ ہوں اور خود مالک کی نظر میں پیاری ہوں جیسا کہ دوسری جگہ بھی آیا ہے "تم ہرگز کمال نیکی کو نہیں پا سکتے تاوقتیکہ اپنی پیاری چیزیں خدا کی راہ میں خرچ نہ کرو" (آل عمران رکوع ۱۰) قرآن شریف کا یہ حکم کہ ہمکو اپنی پیاری چیزیں اپنے ہمجنسوں کی خاطر ایثار کر دینی چاہئیں انسان کے دل میں سچی ہمدردی پیدا کرنے کا بڑا زبردست آلہ ہے یوں تو ہر ایک مذہب میں غربا مصیبت زدگان کو خیرات دینے کا حکم ہوتا ہے بلکہ جنکا کوئی مذہب نہیں ہے وہ بھی اپنے ہمجنسوں کو خیرات دیتے ہیں لیکن یہ تعلیم اسلام کے ساتھ ہی مخصوص ہے کہ انسانکو اپنی پیاری اغراض اپنے بھائی پر قربان کر دینی چاہئے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام نے انسانی فطرت کا بڑا گہرا مطالعہ کیا ہے اس نے دیکھا کہ یہ انسان کی طبیعت کا خاصہ ہے کہ جب وہ کسی اپنے ہم جنس کو مصیبت میں دیکھے تو اسے اسپر رحم آتا ہے اور ایسے موقع پر طبعاً وہ چاہتا ہے کہ جو کچھ ہو سکے اسکو دوں یہ آسان بات ہے کہ جبتک کسی کو خود کوئی تکلیف نہ معلوم ہو وہ خیرات دے سکتا ہے بلکہ انسان تو انسان حیوان بھی جب اپنے کسی ہم جنس کو تکلیف میں دیکھیں تو اس پر رحم کرتے ہیں لیکن ممکن ہے کہ کوئی شخص اس قسم کی خیرات تو گاہے گاہے دیتا ہو پھر بھی اسکے دل میں خودغرضی کا مادہ غالب ہو اور وہ سچی ہمدردی سے بالکل بے بہرہ ہو ایک لاکھ پتی کے واسطے خواہ وہ عیسائی ہو یا یہودی ہو یا ہندو ہو یا دہریہ محتاجوں اور بے روزگاروں کی امداد کی خاطر کچھ روپیہ دیدینا بڑا مشکل نہیں ہے لیکن وہ کبھی اس سود کو نہیں چھوڑیگا جو روپیہ پر اسکو ملتا ہے لیکن قرآن شریف نے سب سے پیاری چیزیں خرچ کرنیکا حکم دیکر مسلمانوں کو اس بات کے واسطے تیار کر دیا کہ خواہ ان کا کیسا ہی پیارا کوئی مطلب ہو اپنے ابنائے جنس کی خاطر ترک کر دیں جب وہ اپنے ابنائے جنس کی خاطر اپنی پیاری اغراض قربان کرنیکو طیار ہو گئے تو ان کو سود خوری سے باز رہنے کا حکم دیا گیا اگرچہ یہ عجیب معلوم ہوگا مگر بات یہی ہے کہ قرضہ پر سود کے چھوڑنے کی نسبت اپنی گرہ سے کچھ دیدینا آسان ہوتا ہے شاید اسکی یہ وجہ ہے کہ آخری صورت میں ناموری کے خیال کر دلکو تسلی ہو جاتی ہے اور پہلی صورت میں چونکہ اصل رقم صرف قرضہ ہوتا ہے سود کا چھوڑ دینا کوئی بڑا احسان نہیں معلوم ہوتا اسوجہ پر و نیز دیگر ایسی وجوہات پر قرآن شریف سود کے مضمون سے پہلے صدقات پر بہت زور دیتا ہے اور اسطرح پر وہ بھاری حکم دینے سے پہلے لوگوں کو ایسے بڑے ملوہمتی کے کام کے قبول کرنیکے واسطے تیار کرتا ہے

درست سود کے مضمون کا تعلق صدقات و خیرات کیساتھ ظاہر کر کے قرآن شریف نے ان بڑے نقصانوں کا ذکر کیا ہے جو سود خوری کی وجہ سے انسان کو ہوتے ہیں جسطرح خیرات دینے سے دل کشادہ ہوتا ہے اور وسیع ہمدردی کے مادہ کے قابل ہو جاتا ہے اسی طرح سود خوری کی نفس پرستی خودغرضی اور دنیا پرستی کے خیالات پیدا ہوتے ہیں اور کئی ایک بدیوں کی تخم ریزی ہو جاتی ہے جو انسان کو اخلاقی حالت سے گرا دیتی ہے اصلی بڑائی دولت مندی اور روپیہ کمانے میں نہیں ہے بلکہ اعلی اخلاق کے حاصل کرنے میں ہے۔ جو

سودخوری کبھی حاصل نہیں ہو سکتی جہاں ایک فیاض آدمی اپنے مصیبت زدہ ہم جنسوں کی امداد کرتا ہے سود خور پیسہ پیسہ ان سے چھین لیتا ہے اور اس طرح انکو مفلس بنا کر ان سے ایسے جرائم و مجرمانہ حرکات کا ارتکاب کراتا ہے جن سے وہ اپنی معاش حاصل کرتے ہیں لیکن خیرات دیکر انسان اپنے ہم جنسوں کو بہت سے جرائم کے ارتکاب سے بچاتا ہے جو بوجہ افلاس ان سے سرزد ہوتے ہیں مثلاً چوری سرقہ بالجبر ڈاکہ زنی یا کسبیوں کا پیشہ اور ایسے دیگر خوفناک جرائم جو انسانی ترقی کے کمال کی حالت تک پہنچنے میں سدراہ ہیں علاوہ اسکے اگرچہ سود خور قرض دیکر قرضدار کیساتھ دکھانے کو ہمدردی ظاہر کرتا ہے لیکن اصل میں اسکا دلی منشاء اسکو بالکل تباہ کرنے کا ہوتا ہے کیونکہ وہ کبھی اپنا قرضہ ادا کرنیکے قابل نہیں ہوگا اور یہ قرضہ برابر بڑھتا جائے گا خواہ مقروض کو اس روپے کے استعمال سے فائدہ ہو یا نہ ہو پس جو شخص سود پر روپیہ دیتا ہے وہ ضرور تمام اعلیٰ اوصاف سے بے بہرہ ہو جاتا ہے کیونکہ بڑے سے بڑا مدعا جو اسکو مد نظر ہوتا ہے روپیہ کمانا ہی ہوتا ہے اور انسانی ہمدردی کے اعلیٰ اوصاف انکے اصلی محرکات ہی نہیں ہوتے خیرات دینے والا آدمی تو دوسروں کی بہبودی کے لئے محنت کرتا ہے لیکن سود خور نکما رہ کر اوروں سے لیتا ہے علاوہ تنگدلی کے جو سود خوری کا پہلا نتیجہ ہے بیکاری اور خرچ کرنیکے لئے بہت مال پاس ہونے سے بہت ہی بد نتائج پیدا ہوتے ہیں۔

یہ تو ان نقصانوں کا بیان ہوا جو سود خوری سے فرداً فرداً ہر شخص کو اور پھر ان کے ذریعہ سوسائٹی کو ہوتے ہیں لیکن اس کے علاوہ سوسائٹی پر جو بد اثر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ قوم کا روپیہ رفتہ رفتہ تھوڑے اشخاص کے ہاتھ میں چلا جاتا ہے باقی سب رفتہ رفتہ نادار ہو جاتے ہیں اور انکے ہاتھ میں اتنا بھی نہیں رہتا کہ وہ دیانت داری اور شائستگی سے زندگی بسر کر سکیں اسی خرابی کا استیصال قرآن شریف کی تعلیم صدقات کا عین مدعا ہے اور یہی خرابی ہے جسکی وجہ سے اسقدر سوسلزم پیدا ہوئی یہ بھی یاد رہے کہ صدقات کا دینا مسلمانوں میں ایک لازمی امر قرار دیا گیا ہے جو شخص قرضدار نہ ہو اور مالک نصاب ہو یعنی ایک مقررہ حد تک مال رکھتا ہو اسپر اپنے مال کے موافق زکوٰۃ دینا واجب ہے اور جو روپیہ اس طور پر جمع ہو وہ محل خیرات کی مدوں میں خرچ کیا جاتا ہے گویا روپیہ دولتمندوں سے لیکر جن کے پاس زائد ہوتا ہے غرباء کو دیا جاتا ہے جنکے پاس کم ہے۔ یہ ایک تدبیر ہے جو مہذب سائیٹوں کے افلاس کو بڑھنے سے آخر کار روک سکتی ہے کیونکہ یہی سوشلزم و انڈیویجولزم کے ...

Socialism یہ اصطلاح پولٹکل اکانومی یعنی علم تدبیر معاشرت کی ہے جس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ سوسائٹی کے تمام افراد یعنی جماعت کے موافق کام کریں لیکن ہر ایک اپنی ہمت کا صلہ پانیکے ہر شخص کو مشترکہ سرمایہ میں سے اسقدر دیا جاوے جو اسکے اور اسکے اہل و عیال کے گذارہ کے موافق ہو مطلب یہ ہوتا ہے کہ دولتمندی و غریبی کا فرق اٹھ جاوے اور کوئی شخص کبھی کسی ذاتی جایداد کا مالک نہ سمجھا جاوے۔

Individualism اسکے مقابلہ پر ہے جس سے یہ مراد ہے کہ ہر شخص اپنی ذاتی جائداد کا مالک سمجھا جاوے

... اپنی جائداد کا حق کوئی نہ سمجھا جاوے۔

لیکن اس مضمون پر علیحدہ بحث کی ضرورت ہے۔ یہاں میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ صدقات کے واجب ٹھہرانے میں جو مدعا قرآن شریف کے مدنظر تھا وہ کبھی حاصل نہ ہوتا اگر سودخوری یعنی مقررہ شرح سود پر قرضہ دینے کی رسم کا قلع قمع نہ کیا جاتا اس امر کی صداقت اور بھی واضح ہو جاتی ہے جب ہم موجودہ مہذب سوسائٹیوں پر نظر ڈالتے ہیں۔ جہاں جواز سود کی رسم بعض کو تو لاکھپتی بنا دیتی ہے لیکن باقی تمام افراد کو افلاس کا منہ دکھاتی ہے مشرقی ممالک کے لوگ سمجھ بیٹھے ہیں کہ مغربی ممالک کی سوسائیٹیاں بڑی دولتمند ہیں یہ بات ٹھیک تو ہے لیکن اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ یہ سوسائیٹیاں بحیثیت مجموعی خوشحال بھی ہیں دولت تو بہت ہے لیکن ساری معدودے چند سرمایہ داروں کے ہاتھ میں ہے اور جوں جوں زیادہ دولتمند بنتے جاتے ہیں باقی تمام دن بدن غریب ہوتے جاتے ہیں سچی خوشحالی کی یہ بالکل علامت نہیں ہے مسٹر ڈبلیو جی کری نے اخبار مروتھ سیکر میں ایک مضمون سوشلزم کی مخالفت کرنیوالوں کے متعلق لکھا ہے اسمیں وہ لکھتا ہے کہ سرمایہ داروں کی اقبالمندی یہ مرہون ہے کہ بہت سا روپیہ کاروبار میں لگایا گیا ہے اور اسپر بڑا منافع ادا ہوتا ہے لیکن اصل میں اسکے یہ معنے ہیں کہ روپیہ کمانیوالوں کے ہاتھ سے روپیہ نکلکر سرمایہ داروں کے ہاتھ میں جا رہا ہے تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مصر بابل اور ایران کو تب ہی زوال آیا جبکہ صرف اٹھارہ سو اشخاص اسوقت تک معلومہ دنیا کے مالک ہو گئے۔ ستر سال گذرے کہ امریکہ میں کوئی لاکھپتی نہیں تھا اور اسوقت وہاں افلاس کا کوئی نام بھی نہ جانتا تھا اسوقت اس ملک میں آٹھ ہزار ۸۰۰۰ لاکھپتی ہیں جنمیں سے بعض کے پاس کروڑہا روپیہ ہے۔ اور مفلسوں کی تعداد کوئی پچاس لاکھ ہے دراصل اسوقت تین لاکھ پچاس ہزار اشخاص ہیں جو قوم کی دولت کے مالک کہے جا سکتے ہیں۔" اور دوسری طرف فریڈرک پریسن کی رپورٹ کے بموجب "روپیہ کمانے والوں میں سے نوے ۹۰ فیصدی ایسے ہیں جنکا اپنا گھر بھی کوئی نہیں ہے اور نہ کوئی ایسی چیز ہے جو کچھ قیمت کی ہو سوا اس حد سے بڑھکر ہیں جو ایک چھوٹی سی گاڑی میں رکھی جا سکیں" کہا جاتا ہے کہ ریاستہائے متحدہ میں ایک کروڑ سے زیادہ مفلس ہیں اور اس ملک کی کل آبادی بموجب مردم شماری ۱۸۹۰ء کے چھ کروڑ بیس لاکھ سے کچھ ہی زیادہ ہے بیس لاکھ بچے اور پچاس لاکھ عورتیں صرف پیٹ کے گذارہ کیواسطے مزدوری پر لگے ہوئے ہیں پنسلوینیا کے کوئلہ کی کانوں میں ۲۴۰۰۰ بچے کام پر لگے ہوئے بیان کئے جاتے ہیں جن میں سے صرف ۱۱۰۰۰ چھوٹی چھوٹی لڑکیاں ہیں۔ مسٹر کری لکھتا ہے "تمام زمین جو کسی قیمت والی تھی۔ متمول اشخاص نے بھاری بھاری منافع کی امید پر خرید کر لی ہے۔ بموجب قوانین عطائے اراضی دو کروڑ چالیس لاکھ ایکڑ اراضی ٹکسلاؤ میں صرف دو جماعتوں کے قبضہ میں ہے اب اگر بنجر زمین بھی مل سکے تو اسکو آباد کرنے کے لئے واقفیت روپیہ اور وقت درکار ہے جو افلاس زدگان کو کہاں میسر ہو سکتا ہے اس ملک میں صرف دس فیصدی ایسے لوگ ہیں جنکا کوئی اپنا گھر ہے اور ریاستہائے متحدہ کی آباد اراضی میں سے نصف سرمایہ دار مالکان زمین کے ہاتھوں میں ہے۔ اور باقی میں سے بہت بڑا حصہ رہن ہے اگر تمول کی ترقی کی یہی صورت رہی تو تھوڑے ہی عرصہ میں امریکہ کے چھوٹے چھوٹے خود کاشت مالکان اراضی کا تعلق ملکیت زمین سے منقطع ہو جائیگا جیسا کہ آئرلینڈ کے کاشتکاروں کا حال آجکل ہے"۔

صرف امریکہ ہی میں سود خوری کے بد نتائج سے یہ حال نہیں ہو رہا بلکہ یورپ میں بھی یہی حال ہے۔ برطانیہ کی نصف زمین کے مالک صرف ۲۵۰۰ اشخاص ہیں اور کل آبادی میں تیس فیصدی اشخاص کو پیٹ بھر کر کھانا نصیب نہیں ہوتا ہے تمام قومی سرمایہ صرف پچاس لاکھ اشخاص کی ملکیت ہے اور باقی تین کروڑ بیس لاکھ آبادی کو مزدوری پر کام ملنے کے واسطے انہیں کے ہاتھ تکنے پڑتے ہیں ہندوستان کا اس سے بھی ابتر حال ہے سود خوری کے باعث بہت ساری زمین غریب کاشتکاروں کے ہاتھ سے نکلکر قرض پر روپیہ چلانیوالے بنیوں کے ہاتھوں میں چلی گئی ہے اور گورنمنٹ نے اس خرابی کے اصل منبع کو رفع کرنے کا علاج تجویز کرنے کی بجائے انتقال اراضی کو محدود کر دیا ہے جس سے کاشتکاروں کی تکالیف کے دور کرنے میں تو کوئی امداد نہیں ملی ہاں حریص بنیا کو زمین ملنی بند ہو گئی لیکن اصل میں جس تجویز سے کاشتکاروں کی تکالیف دور کرنے میں مدد مل سکتی ہے وہ یہی ہے کہ گورنمنٹ کی طرف سے قرضہ کے بنک کھولے جاویں اور تنگی کے ایام میں جب فصل سے کچھ حاصل نہ ہو یا مویشی وبا سے مر جاویں تو چھوٹے چھوٹے زمینداروں کو جنکا گذارہ محض اپنی زمین پر موقوف ہے بلا سود قرضہ دیا جاوے لیکن جبتک ایسی کوئی تجویز نہ کی جاویگی صرف سود کی بھاری شرح کی ممانعت سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا ساہوکار کو ایسے قانون سے بچنے کی چالاکیاں آتی ہیں اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایکسو روپیہ کا قرضہ جو دو یا تین سال بعد واجب الادا ہو تمسک میں پہلے ہی دو سو روپیہ لکھوایا جاتا ہے اور عدالت کو اصل واقعات کا علم کبھی حاصل نہیں ہوتا تنگی کے ایام میں زمیندار کو کم شرح پر سود ادا کرنا بھی مشکل ہوتا ہے اور گورنمنٹ کا فرض ہے کہ جب زیادہ تر حصہ آمدنی کا کاشتکاروں سے حاصل ہوتا ہے تو مصیبت کے وقت انکی امداد کے واسطے فوراً کوئی مناسب تجویز بھی کیا کرے۔

اب ہم قرآن شریف کی ان آیتوں کو بیان کرتے ہیں جن میں سود کی ممانعت کا ذکر ہے مال ظاہر اور پوشیدہ صدقات کے دینے کے بعد ہی یہ آیت ہے الذین یاکلون الربٰوا لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطٰن من المس (البقرہ رکوع ۳۸) یعنی جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ نہیں کھڑے ہونگے مگر جیسے کہ وہ شخص کھڑا ہوتا ہے جو مس شیطان سے مخبوط الحواس ہو گیا ہو۔ قرآن مجید میں اس جگہ لفظ ربٰو کا آیا ہے اور اس پر بہت بحث مباحثہ ہوا ہے کہ اس آیت میں اس سے کیا مراد ہے اسکے لفظی معنے بڑھوتی یا زیادتی ہے لیکن رواجاً اس سے وہی مراد ہے جو ابتداً سود خوری سے مراد ہوتی تھی یعنی اسکے معنے ہیں قرضہ پر سود جیسا کہ اسی آیت کے بعد کی تیسری چوتھی آیت سے ظاہر ہوتا ہے جہاں صاف صاف الفاظ ربٰو اور راس المال کے آئے ہیں جن سے سود و اصل مال مراد ہے علاوہ ازیں آیت متذکرہ بالا میں ربٰو اور تجارت کے منافع کا فرق خود ربٰو کے معنوں کو ظاہر کر رہا ہے کیونکہ دوسرے حصہ آیت مذکورہ میں یہ مطلب ہے کہ "خدا تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا ہے اور ربٰو (یعنی سود خوری) کو حرام"۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس آیت میں سود کی حرمت بیان کرنے سے قرآن شریف کا مدعا اس رسم کے استیصال کا ہے جو مقررہ شرح سود پر قرضہ دینے کے بارہ میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے عرب میں بھی ایسی ہی پھیلی ہوئی تھی۔ جیسے کہ دیگر تمام ممالک میں۔ اس آیت میں ایک اور امر بہت ہی توجہ کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ جو شخص سود پر قرضہ

دیوے اسکی مثال ایسے شخص سے دیگئی ہے جو مس شیطان سے گر گیا ہو یا دیوانہ ہو گیا ہو دا اصل الفاظ سے دونوں معنی نکل سکتے ہیں) قرآن شریف نے اس ایک ہی لفظ میں سود خوری کے تمام بد نتائج جتلا دیئے ہیں اور یہ اس پاک کتاب کا خاصہ ہے کہ اکثر موقع پر ایک ہی لفظ میں ایک لمبے مضمون کا فلسفہ بیان کر دیتی ہے یہاں کہا گیا ہے۔ کہ سود خور کبھی سیدھا نہیں کھڑا ہو سکتا بلکہ جب وہ کھڑا ہونے کی کوشش کرتا ہے تو پھر گر پڑتا ہے۔ سود خوری کے ذریعہ دولت کے بڑھانے کی خواہش کو مس شیطان سے مشابہت دیگئی ہے جسکے باعث انسان زمین پر جھکا رہتا ہے یعنی بالکل زمینی ہو جاتا ہے اور آسمان سے اسکا کوئی تعلق نہیں رہتا سود خور ہر وقت اور ہر آن اسی غم اور فکر میں غرق رہتا ہے۔ کہ کسطرح اسکی دولت بڑھے اسی لئے وہ حد سے زیادہ زمین کی طرف جھکا ہوا ہے اور انسانی زندگی کے اعلیٰ مقاصد کی خواہش اسکے دل میں پیدا ہی نہیں ہو سکتی وہ خود چونکہ گرا ہوا ہوتا ہے اسلئے اپنے ابنائے جنس کی بھی کوئی امداد نہیں کر سکتا وہ اسی دنیا کی خواہشات کے پیچھے دیوانہ بنا ہوا ہوتا ہے۔ اور اعلیٰ اور پاکیزہ خیالات سے بے بہرہ ہوتا ہے شیطان سے مراد دنیا داری ہے اور اسلئے مس شیطان سے مراد اس دنیا کی محبت ہے ہمدردی محبت اور شفقت نہ ہونا جو سود خوری کا لازمی نتیجہ ہے اخلاقی تنزل کا باعث بنجاتا ہے جسکو زمین پر گرا ہوا ہونے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

دوسری آیت جسمیں سود خوری کی حرمت اس سے بھی زیادہ پر زور الفاظ میں بیان کی گئی ہے یہ ہے یاایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربوا ان کنتم مؤمنین ۰ فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ ج وان تبتم فلکم رؤس اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون ۰ وان کان ذو عسرۃ فنظرۃ الی میسرۃ ط وان تصدقوا خیر لکم ان کنتم تعلمون (البقرہ رکوع ۳۷) ”یعنی اے مسلمانو! اگر تم ایمان رکھتے ہو تو اللہ سے ڈرو اور جو سود لوگوں کے ذمہ باقی ہے اسکو چھوڑ دو اور اگر ایسا نہیں کرو گے تو اللہ اور اسکے رسول سے لڑنے کے لئے ہوشیار رہو اور اگر توبہ کرتے ہو تو اپنی رقم تمکو لینی پہنچتی ہے نہ تم کسی کا نقصان کرو اور نہ کوئی تمہارا نقصان کرے اور اگر کوئی تنگدست تمہارا مقروض ہو تو فراخی تک کی مہلت دو اور اگر سمجھو تو تمہارے حق میں یہ زیادہ بہتر ہے کہ اسکو اصل قرضہ بھی بخشدو“ ان آیات سے کئی امور پر روشنی پڑتی ہے نیز یا سود کے چھوڑ دینے کے حکم سے پہلے تقویٰ اختیار کرنیکا حکم ہے کیونکہ بنی نوع انسان کے فائدہ رسانی کا کام درحقیقت ایک تقویٰ کی راہ ہے علاوہ ازیں اس حکم سے یہ بھی پایا جاتا ہے کہ تمام احکام میں قرآن شریف کا جو مدعا مد نظر ہوتا ہے وہ حصول تقویٰ ہی ہے اسی سے اس امر کا اندازہ بھی ہو سکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسقدر فکر رہتا تھا کہ آپ کے اتباع تقویٰ کے اعلیٰ مدارج حاصل کریں اور جیسا کہ آپ کو اس بات کا فکر رہتا تھا ایسا ہی جو نتائج حاصل ہوئے وہ بھی بہت عظیم الشان ہیں کیونکہ آپ کے انفاس طیبہ نے تقوے کی وہ روح آپکے پیروؤں میں بھی پھونک دی جسکی نظیر نہیں پائی جاتی۔ مسلمانوں میں سے جو لوگ کسی نہ کسی شکل میں قرضہ پر سود کا لینا جائز ٹھہرانا چاہتے ہیں وہ اور نہیں تو یہی غور کریں کہ پہلے زمانہ کے مسلمانوں

نے جب سچے تقویٰ کے حصول کی خاطر اپنا تمام مال خدا کی راہ میں دیدیا تو ہم ان مدارج کو کیونکر پا سکتے ہیں اگر ہم حرمت سود کے حکم کے پابند نہ ہوں

آیات بالا سے یہ بھی ظاہر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسی کیسی زبردست تھی کہ کس قوت سے تمام برائیوں کا قلع قمع کر دیا۔ ہمیں تعجب آتا ہے جب بعض مسلمان کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تعدد ازواج کو اسلئے دور نہیں کر سکے کہ یہ رسم ملک عرب میں جڑھ پکڑ گئی تھی اس سے بہت بڑھکر سود خوری تھی کیونکہ یہ ایک ایسی برائی تھی جسمیں متمول اشخاص کو جو سوسائٹی میں بھی زیادہ اقتدار والے ہوتے ہیں واقعی فائدہ تھا اور اس خرابی کے دور کرنے سے بڑھکر اور کوئی مشکل کام نہ تھا لیکن غور کرو کہ کس مقتدرانہ پیرایہ میں حرمت سود کا پُرحکمت حکم دیا گیا "اگر تم باقیماندہ سود نہیں چھوڑتے ہو تو اللہ اور اسکے رسول کی لڑائی کے واسطے تیار ہو" یہ دھمکی لڑائی کی کفار کے برخلاف نہ تھی کہ کوئی کہہ سکے کہ نبی کریم صلعم کو اپنے مخالفوں کے برخلاف اپنے پیروؤں کی طاقت پر بھروسہ تھا بلکہ یہ خطاب مومنوں کو ہی تھا اور انہیں کو کھلے کھلے الفاظ میں کہا گیا تھا کہ وہ سود خوری سے باز نہ آویں تو اللہ اور اسکے رسول کی لڑائی کیواسطے تیار رہیں لڑائی بھی کس کے ساتھ؟ اللہ اور اسکے رسول کیساتھ یہ الفاظ کسی انسان کے منہ سے نہیں نکل سکتے سوچنے کی بات ہے کہ ایک شخص جو ہر طرف سے دشمنوں سے گھرا ہوا ہو اپنے پیروؤں کو کہے کہ اگر وہ سود خوری نہیں چھوڑینگے تو وہ انکے ساتھ لڑائی کا اعلان کر دے گا کیا ایسا شخص کسی برائی کی مذمت کرنے سے ڈر سکتا ہے اگر منصف مزاج آدمی اس بات پر غور کرے تو اسکا دل عجیب لذت سے بھر جاتا ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر کیسا بھروسہ تھا اسکی مرضی کو پورا کرنیکے لئے نہ اپنے دشمنوں کی پروا کی نہ دوستوں کی اس قوت قلب پر غور کرو کہ اُن لوگوں کو جو اسوقت تک ساتھ ہوئے تھے یہ کہا جاتا ہے کہ اگر تم سود نہ چھوڑوگے تو خدا اور اسکا رسول تمہارے خلاف جنگ کا اعلان کرتے ہیں۔ ناخداترس مخالف کہتا ہے کہ آپ نے جمعیت حاصل کرنیکے بعد جنگ شروع کی مگر دیکھو اسوقت کسکو ساتھ رکھکر اعلان جنگ کیا تھا آپنے یہ پروا بھی نہیں کی کہ ساتھ کون ہوگا بلکہ یہی کہا کہ خدا اور اسکا رسول تمہارے ساتھ جنگ کرینگے اصل بات تو یہ ہے کہ نبی کریم صلعم میں ہر قسم کی برائیوں کے دور کرنیکی ایک فوق العادت اخلاقی طاقت نظر آتی ہے کسی اور مصلح آبادی نے ایسی قوت اور جرأت ہرگز نہیں دکھائی ناظرین اس سے یہ بھی قیاس کر سکتے ہیں کہ سود خوری اور سود خوروں سے خود آپکو کتنی بڑی نفرت تھی اور پھر اپنے پیروؤں کی نظر میں بھی آپ اسکو کیسا مکروہ بنانا چاہتے تھے سود خوری کی ایسے زور سے مذمت کرنا اس امر کو بخوبی ثابت کرتا ہے کہ کسی صورت میں اسکی اجازت روا نہیں رکھی گئی اگر قرآن شریف کا یہ مدعا ہوتا کہ بعض قسم کی سود خوری مثلاً جیسے کہ آجکل کا تجارتی سود ہی رائج ہے تو اسکی مذمت میں ایسے سخت الفاظ نہ بولے جاتے بلکہ اور کسی بدی کی نسبت ایسے سخت لفظ نہیں بولے اگر تم اسکو نہ چھوڑوگے تو تمہارا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہوگا اور تمہیں دشمن اسلام سمجھکر تمہارے ساتھ جنگ کیا جاویگا اگر سود خوری کی کوئی قسم بھی مستثنیٰ ہوتی تو ممکن نہ تھا کہ ایسے الفاظ جن سے سود خوری سخت مکروہ معلوم ہو۔

اس مضمون کے پہلے حصہ کو میں اسی جگہ ختم کرکے دوسرے حصہ میں ان مختلف مضامین پر بحث کرونگا۔ جو سود کے جواز کے متعلق زمانہ حال میں بعض مسلمانوں نے لکھے ہیں۔

اسلام (نمبر ۲)

(بجواب پادری اسٹیل)

ہجرت

پادری صاحب کے مضمون کا اول حصہ جسمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی کو نشانہ اعتراضات بنایا گیا ہے ہجرت کے بیان سے ختم ہوتا ہے اس واقعہ کا ذکر وہ ان الفاظ میں کرتا ہے "اسوقت یعنی طائف سے واپس آنیکے بعد نقل مکانی کا خیال آپ کے دلمیں پیدا ہونا شروع ہو گیا تھا اور اس زمانہ کی ایک سورۃ میں ہم الفاظ ذیل پاتے ہیں۔ واعرض عن المشرکین ۰ ولو شاء اللہ ما اشرکوا ۰ وما جعلناک علیھم حفیظاً (الانعام) یعنی مشرکوں سے کنارہ کش رہو اگر خدا چاہتا تو یہ شرک نہ کرتے اور ہمنے تمکو انپر کوئی محافظ مقرر نہیں کیا۔ پس جس ہجرت کا آپنے ارادہ کر لیا تھا اسکی منظوری وحی الٰہی سے حاصل کر کے آپنے مدینہ کے لوگوں کے ساتھ تعلقات قایم کرنے شروع کئے جس جگہ کے چند حاجی عقبہ کی پہلی بیعت کیوقت آپکی بیعت میں داخل ہو چکے تھے ایک سال بعد ایک بڑی جماعت نے عقبہ کی دوسری بیعت میں یہ اقرار کیا کہ وہ آنحضرت اور آپکے دین کی حفاظت تلوار کے ذریعہ سے کریں گے اور آنحضرت نے انکو کہا کہ تمہارا خون میرا خون ہے جسکا خون تم گراؤ گے اسکا خون میں بھی گراؤنگا تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں جسکے ساتھ تم جنگ کرو گے اسکے ساتھ میں بھی جنگ کرونگا اور جسکے ساتھ تم صلح کرو گے اسکے ساتھ میں بھی صلح کرونگا پیغمبر (۲) اب وعظ اور ترغیب کے طریقوں کو جنمیں ناکامی ہوئی تھی چھوڑ کر کسی اور زبردست طریق کو عمل میں لانیکے لئے متوجہ کر رہے تھے اسلام کی ملی ہوئی ملکی اور مذہبی ترقی ایک پہلی حالت سے نکل چکی تھی اور اب ملکی اور سیاسی طور پر تمام عرب کو ایک جماعت بنانے کی تجویز زیادہ ممکن العمل معلوم ہوتی تھی گر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مکہ کو بغیر ایک عہد اور ایک سرزنش کے نہیں چھوڑا چونکہ آپ کو اپنی رسالت کی انجام کار کامیابی اور مکہ والوں پر آیندہ کسی زمانہ میں فتح کا پورا یقین تھا اسلئے آپنے ایک الہام پیش کر دیا کہ مسلمان ہی زمین کے وارث ہو گئے اور ظالم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے عظیم الشان واقعات میں سے ایک نہایت ہی اہم واقعہ آپکا مدینہ کو ہجرت کرنا ہے اور آپکے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسکی اہمیت کو سمجھکر ہی اسلامی سنہ کا ابتدا واقعہ ہجرت سے ہی رکھا اسلئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کے متعلق کسیقدر تفصیل سے لکھا جاوے اور ان واقعات کو بھی بیان کیا جاوے جو ہجرت سے پہلے واقع ہوئے لسی پہلے حصہ مضمون میں ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر طائف کا ذکر کیا ہے کہ کیسی بیرحمی سے وہ لوگ پیش آئے وہاں سے واپس آکر

جب آپ مکہ میں پہنچے تو ایام حج بالکل قریب تھے اور جیسا کہ پہلے بھی آپ کا دستور تھا آپ نے ان مختلف قوموں کو جو موسم حج میں مکہ میں جمع تھیں تبلیغ شروع کی ایک ایک قوم کے ڈیرے میں آپ جاتے اور ان سے یوں مخاطب ہوتے کہ اے بنی فلاں میں تمہاری طرف خدا کا رسول ہوں وہ حکم دیتا ہے کہ تم اللہ کی ہی عبادت کرو اور اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور جو کچھ خدا کے سوا ان بتوں کی تم پرستش کرتے ہو ان کو بالکل چھوڑ دو اور میری بات کو مان لو اور میری تصدیق کرو اور لوگوں کو مجھ پر حملہ کرنے سے روکو یہاں تک کہ جو پیغام دیکر اللہ نے مجھے مبعوث کیا ہے اسکو میں کھولکر بیان کردوں۔" کبھی آپ ایک قوم کے ڈیرہ پر جاتے اور جب وہ خدا کا کلام سننے سے انکار کرتے تو پھر دوسری قوم کی طرف رخ کرتے اور وہی جواب وہاں سے بھی پاتے غرضیکہ تمام منازل میں پھر پھر کر عرب کی ایک ایک قوم کو بلا رہے تھے اب غور کرنیوالے غور کریں کہ وہ کیسی تڑپ آپکے دل کے اندر تھی کہ عرب راہ راست پر آجاویں کہ آپ اس طرح سے دیوانہ وار یکے بعد دیگرے تمام قوموں کی التجا کرتے پھرتے تھے کہ کوئی میری بات سنے اگر ایسی تڑپ کسی جھوٹے کے دل میں بھی ہو سکتی ہے تو پادری صاحبان کوئی اسکی نظیر پیش کریں اور پھر آپکا اللہ تعالیٰ پر کیسا قوی ایمان تھا کہ ایک یا دو یا تین جگہ سے جواب پاکر مایوس نہیں ہوگئے گویا کہ آپ اس یقین کامل کیساتھ ان ڈیروں میں پھر رہے تھے کہ ان میں وہ لوگ بھی موجود ہیں جو ضرور ہے کہ آپ کی آواز کو سنیں اور آپکے پیغام کو قبول کریں اور گویا آپ انہی کو تلاش کرتے پھر رہے ہیں آخر کار عین اس موقعہ پر جب لوگوں کی واپسی کا وقت آپہنچا تھا آپکو ایک جگہ چھ آدمیوں کا ایک گروہ نظر آیا اور آپ نے انکی طرف رخ کیا اور جس طرح اوروں کو خطاب کرتے پھرتے تھے انکو بھی خطاب کیا یہ لوگ بنی خزرج میں سے اور مدینہ کے رہنے والے تھے انہوں نے آپکا پیغام سننے کا شوق ظاہر کیا چنانچہ آپ بیٹھ گئے اور انکو قرآن شریف سنانا شروع کیا اور حق کی طرف دعوت کی خدا تعالیٰ نے بھی ان لوگوں کے دلوں کو حق کے قبول کرنے کے لئے کھولدیا اور سب اسلام لے آئے اور مدینہ کو جو اسوقت یثرب کہلاتا تھا واپس چلے گئے وہاں پہنچکر انہوں نے اپنی قوم کے دوسرے لوگوں کو اسلام کی تبلیغ شروع کی اور اسلام نے وہاں حیرت انگیز ترقی کرنی شروع کی اور وہ بیج جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان زائرین مکہ میں ڈالا تھا وہ ایک سرسبز درخت کی صورت میں نشوونما پانے لگا چنانچہ اگلے سال قوم خزرج اور اوس کے بارہ آدمی حج کے موسم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شرف بیعت حاصل کرنیکے لئے آئے اور انکی بیعت عقبہ کی بیعت اولیٰ کہلاتی ہے اس مقام کے نام کی وجہ سے جہاں انہوں نے بیعت کی بیعت کے الفاظ یہ تھے لا نشرک باللہ شیئا و لا نسرق و لا نزنی و لا نقتل اولادنا و لا نأتی ببہتان نفتریہ من بین ایدینا و ارجلنا و لا نعصیک فی معروف یعنی نہ ہم خدا سے شرک کرینگے نہ چوری کرینگے نہ زنا کرینگے نہ اپنی اولاد کو قتل کرینگے نہ کسی پر بہتان باندھینگے اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی معروف امر میں نافرمانی کرینگے۔ (ترجمہ) اسکے بعد اہل مدینہ کی درخواست پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مصعب بن عمیر کو انکے ساتھ اس غرض کیلئے بھیجا کہ تا ان کے ایمانوں کو مضبوط کریں اور انکو احکام دین اور قرآن شریف کی تعلیم دیں حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کو اس تبلیغ میں ایسی کامیابی ہوئی کہ ایک سال کے عرصہ کے اندر مدینہ میں بنی خزرج اور اوس کے گھروں میں سے بہت تھوڑے گھر ایسے رہ گئے جنمیں کوئی نہ کوئی مسلمان نہ ہو۔

ادھر جس اثنا میں مدینہ منورہ میں اسلام کو یہ فتوحات حاصل ہو رہی تھیں مکہ میں کفار کے حالات میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوتی تھی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے صحابہ رضی اللہ عنہم طرح طرح کی تکالیف اور ایذا رسانیوں کا نشانہ ہو رہے تھے مگر اسوقت ان ابتلاؤں اور تکلیفوں اور غموں کے درمیان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب کیحالت جسکا پتہ اس زمانہ کی وحی سے لگتا ہے حیرت میں ڈالنے والی ہے ظاہری سامان کی رو سے تو دن بدن مشکلات بڑھتی جا رہی ہیں مگر کلام الٰہی دن بدن زیادہ پُرشوکت اور تحدیانہ الفاظ میں آنحضرت کے غلبہ اور مخالفوں کی ذلت اور ناکامیوں اور نامرادیوں کی خبر دیتا ہے جب جب انکو یہ سنایا جاتا کہ انجام کار اسلام کا غلبہ اور اسلام کی فتح ہوگی اور تمام مخالفت کی کوششیں اور منصوبے ناکام اور نامراد رہیں گے تب تب ہی یہ سوال کفار نے کیا یقولون متی ھذا الوعد ان کنتم صٰدقین۔ یعنی یہ وعدہ یا یہ فتح کب آئیگی اور بار بار انکو کہا گیا قل یٰقوم اعملوا علی مکانتکم انی عامل فسوف تعلمون من یاتیہ عذاب یخزیہ ویحل علیہ عذاب مقیم۔ یعنی اے میری قوم تم اپنی جگہ پر عمل کرو میں بھی اپنی جگہ پر عمل کر رہا ہوں پھر عنقریب تمکو پتہ لگ جائیگا کہ کسکو وہ آفت آتی ہے جو اسی دنیا میں اسکو رسوا کر دے پھر آخرت میں اسپر دائمی عذاب نازل ہو (الزمر) یا یہ کہا گیا وارتقبوا انی معکم رقیب کہ اسوقت تم انتظار کرو میں بھی انتظار کرتا ہوں (ہود) اور پھر یہ کہا گیا قل کل متربص فتربصوا فستعلمون من اصحٰب الصراط السوی ومن اھتدی (طٰہٰ) کہو کہ اپنی اپنی جگہ پر سبھی انتظار کر رہے ہیں سو تم بھی انتظار کرو عنقریب تمکو معلوم ہو جائیگا کہ سیدھے راستے پر کون ہیں اور وہ کون ہیں جو ہدایت پا گئے اور پھر فرمایا حتی اذا راوا ما یوعدون فسیعلمون من اضعف ناصرا واقل عددا ۰ قل ان ادری اقریب ما توعدون ام یجعل لہ ربی امدا (الجن) جب اس وعدے کو جو کیا جاتا ہے پورا ہوتا دیکھ لیں گے تو تب انکو معلوم ہوگا کہ کس کے مددگار بودے ہیں اور کس کا جتھا شمار میں کم ہے کہو مجھے علم نہیں کہ جس عذاب کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ قریب ہی ہے یا میرا پروردگار اسکو ایک خاص وقت تک ملتوی کر دیگا اور پھر فرمایا قل یوم الفتح لا ینفع الذین کفروا ایمانہم ولا ہم ینظرون ۰ فاعرض عنہم وانتظر انہم منتظرون (السجدہ) کہو فتح کے دن کافروں کو انکا ایمان کچھ بھی فایدہ نہیں دیگا اور نہ ہی اس دن انکو مہلت دیجائیگی پس تم ان سے کنارہ کش رہو اور ان کی ذلت کا انتظار کرتے رہو کہ وہ تمہاری ہلاکت کا انتظار کرتے ہیں اور پھر عین اسوقت جب کفار یقین کر چکے تھے کہ اب یہ دین حق نابود ہو جائیگا فرمایا وقال الذین کفروا لرسلہم لنخرجنکم من ارضنا او لتعودن فی ملتنا فاوحی الیہم ربہم لنہلکن الظلمین۔ ولنسکننکم الارض من بعدہم ذالک لمن خاف مقامی وخاف وعید ۰ واستفتحوا وخاب کل جبار عنید۔۔ اور پھر اسی سورۃ کے اخیر پر پکار کر فرمایا وسکنتم فی مسٰکن الذین ظلموا انفسہم وتبین لکم کیف فعلنا بہم وضربنا لکم الامثال ۰ وقد مکروا مکرہم وعند اللہ مکرہم وان کان مکرہم لتزول منہ الجبال فلا تحسبن اللہ مخلف وعدہ رسلہ ان اللہ عزیز ذو انتقام (یعنی کافروں نے اپنے پیغمبروں سے کہا کہ ہم تمکو اپنے ملک سے نکالدیں گے یا تم ہماری ہی مذہب میں واپس آجاؤگے تو خدا نے اپنے پیغمبروں کی طرف وحی کی کہ یقیناً ہم ظالموں کو ہلاک کریں گے اور انکے بعد تمہیں کو اس زمین میں آباد کریں گے یہ وعدہ اسکے لئے ہے کہ جو میرے مقام

اور میرے وعید سے ڈرتا ہے پھر پیغمبروں نے طلب فتح و نصرت کی اور ہر ایک سرکش ضدی ہلاک ہو گیا اور اے لوگو تم انہی لوگوں کے گھروں میں رہ رہے ہو جنہوں نے پہلے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور تم پر بھی کھل چکا تھا کہ ہم نے انکے ساتھ کیا کچھ کیا اور ہم نے انکی مثالیں بھی تمہارے لئے بیان کیں اور یہ لوگ بڑی بڑی تدبیریں کر رہے ہیں مگر انکی یہ سب تدبیریں خدا کے ہاتھ میں ہیں بلکہ وہ انکو توڑ کر دکھاویگا) اگرچہ انکی تدبیریں ایسی مضبوط ہوں کہ پہاڑوں کو بھی اپنی جگہ سے ہلا دیں پس ہرگز یہ خیال مت کرو کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں سے جو وعدہ کر چکا ہے اسکا خلاف کرے گا اللہ بیشک زبردست اور انتقام لینے والا ہے (ابراہیم) بظاہر تو مشکلات کی کوئی حد نہ تھی مگر صرف خدا کے وعدوں کی بنا پر آپ کو یہ حیرت انگیز یقین اپنی آئندہ کامیابیوں پر تھا یہانتک کہ مخالفین نے بھی اسکے حیرت انگیز ہونیکا اقرار کیا ہے چنانچہ میور لکھتا ہے کہ "محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اس طرح پر اپنے مخالفین کو ان کر دینا فتح کا چپ چاپ انتظار کرنا بظاہر حالات بیکسی اور کمزوری کی حالت میں ہونا اور آپ کی چھوٹی سی جماعت کا گویا شیر کے منہ میں ہونا مگر باوجود ان سب باتوں کے استقامت اور ثابت قدمی سے خدا تعالیٰ پر توکل رکھنا جسکا ایلچی وہ اپنے کو سمجھتے تھے یہ ایک ایسا حیرت انگیز نظارہ ہے جسکی نظیر صرف پاک نوشتوں کے بعض حصوں میں بنی اسرائیل کی استقامت کے سوا کہیں نہیں ملتی"

مدینہ میں جو کچھ کامیابی مصعب کو ہوئی اسکی خبر اگلے سال موسم حج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی مدینہ سے ۷۳ مرد اور دو عورتیں اس موقع پر بیعت کیلئے حاضر ہوئے ملاقات کے لئے وہی جگہ مقرر ہوئی جہاں پہلے سال بھی اہل مدینہ نے بیعت کی تھی اور اسی لئے یہ بیعت عقبہ کی بیعت ثانیہ کے نام سے مشہور ہے رات کیوقت تہائی رات گذرنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عباس کو جو ابھی کفر پر تھے ہمراہ لیکر اس موقع پر پہنچے جہاں مدینہ کی چھوٹی سی جماعت آپکا پہلے سے انتظار کر رہی تھی جب سب لوگ بیٹھ گئے تو حضرت عباس اہل مدینہ سے مخاطب ہو کر بولے اے گروہ خزرج (عرب لوگ بنی خزرج اور بنی اوس دونوں کو اکٹھا بنی خزرج کے نام سے پکارتے تھے) تمہیں معلوم ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ ہم میں کیسا ہے اور اپنی قوم کے ان لوگوں سے جو ہمارے آبائی دین پر قائم ہیں ہم اسکی ابتک محافظت کرتے رہے ہیں پس وہ اپنی قوم میں معزز اور اپنے شہر میں محفوظ ہیں مگر انہوں نے اب تمہاری طرف توجہ کی ہے اور تمہارے ساتھ ملکر رہنے کا ارادہ کر لیا ہے پس اگر تم سمجھتے ہو کہ تم جس وعدہ پر وہاں انکو بلاتے ہو اسکو پورا بھی کرو گے اور دشمنوں سے انکی حفاظت کرو گے تو یہ بوجھ اٹھا لو لیکن اگر تم خیال کرتے ہو کہ تم ان کو دشمنوں کے ہاتھ میں دیدو گے اور انکا ساتھ چھوڑ دو گے بعد اسکے کہ وہ مکہ سے نکلکر آپ لوگوں کیساتھ جا ملیں تو ابھی سے اس خیال کو چھوڑ دو اور آپ کو اس جگہ رہنے دو کیونکہ وہ اپنی قوم میں معزز اور اپنے شہر میں محفوظ ہیں راوی کہتا ہے ہم نے کہا ہم نے تمہاری بات سن لی ہے اب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم خود کلام کریں چنانچہ آپ نے پہلے قرآن شریف پڑھنا شروع کیا اور انکو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی طرف بلایا اور دین اسلام کی خوبیوں سے آگاہ کیا پھر بعد اس کے کہا کہ میں تمہاری بیعت اس بات پر لیتا ہوں کہ تم میرے پر حملہ کرنیسے دشمنوں کو اسی طرح روکو جس طرح اپنی عورتوں اور بچوں پر حملہ کرنے سے روکتے ہو جب آپ یہ کہہ چکے تو براء رضی اللہ عنہ نے آپ کا دست مبارک پکڑ لیا اور کہا کہ ہاں قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپکو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہم آپ کی ایسی ہی حفاظت کرینگے جیسے ہم اپنی حفاظت کرتے ہیں

پس اے خدا کے رسول ہماری بیعت لیجئے خدا کی قسم ہم لڑنیوالے اور زرہ پوش لوگ ہیں جسکو ہمنے بڑوں سے ورثہ میں پایا ہے یعنی بزدل اور کمزور نہیں جو دشمنوں سے ڈر کر آپ کو دشمنوں کے حوالہ کر دینگے پھر اس نے کہا کہ اے خدا کے رسول ہمارے اور لوگوں کے درمیان معاہدہ ہے اور اب ہمیں وہ توڑنا پڑیگا پھر اگر ہم ایسا کریں اور اسکے بعد اللہ تعالیٰ آپکو دشمنوں پر غالب کر دے تو آپ یہ تو نہیں کرینگے کہ ہمیں چھوڑ کر پھر اپنی قوم کے پاس چلے جاویں اسپر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور کہا نہیں یہ نہیں ہو سکتا تمہارا خون میرا خون ہے جو تمہاری پناہ میں ہو وہ میری پناہ میں ہے میں تم سے ہوں اور تم مجھ سے ہو جسکے ساتھ تم جنگ کروگے میں بھی اسکے ساتھ جنگ کرونگا اور جس سے تم صلح کروگے میں بھی اس سے صلح کرونگا اسکے بعد آپنے ان قوم میں سے انہی کے بارہ نقیب مقرر کئے۔

Digitized by Khilafat Library

ان آخری فقرات کو باقی عبارت سے الگ کر کے پادری سیل نے مورد اعتراض بنایا ہے حالانکہ خود بیعت کے الفاظ سے جسکا بعینہ لفظی ترجمہ ہمنے اوپر کر دیا ہے صاف ظاہر ہے کہ بیعت حفاظت اور دشمنوں کے حملوں کو روکنے کے لئے تھی نہ ان پر چڑھائی کرنیکے لئے چنانچہ اسکی حقیقت خود عباسؓ نے اپنی تقریر میں بیان کر دی تھی کہ ابتک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ بنی ہاشم نے دیا ہے اور انکو اعدا یعنی قریش کے حوالے کرنیسے انکار کیا ہے اب جب وہ ایک اجنبی قوم کے درمیان رہایش کرنیکے لئے جاتے ہیں تو ضرور ہے کہ یہ قوم پہلے یہ معاہدہ کرے کہ انکو دشمنوں کے حوالہ نہ کر دینگے اور دشمن اگر ان پر حملہ کریں تو ہم انکے حملوں کو ایسا ہی روکیں گے جیسا اپنے بچوں پر انکے حملوں کو روکتے ہیں بیعت کے الفاظ پر اور اس سارے واقعہ پر خوب غور کرو کہ سوائے حفاظت کے اسکا کچھ مطلب نہ تھا ابوطالب اور بنی ہاشم نے کیا حفاظت آنحضرت صلعم کی کی تھی یہ تو نہیں کیا تھا کہ تلوار پکڑ کر کفار کو کہا تھا کہ تم آنحضرت صلعم کا دین قبول کرو ورنہ ہم تمہاری گردنیں مارتے ہیں بلکہ انکی حفاظت صرف یہ تھی کہ جب قریش نے یہ درخواست کی کہ آنحضرت صلعم کو انکے حوالے کر دیا جاوے اور آپکے خون کا بدلہ نہ لیا جاوے تو ابوطالب نے اس سے انکار کیا اور آخر کل بنی ہاشم نے آنحضرت صلعم کا ساتھ نہ چھوڑا اور تین سال تک شہر کے ایک کونے میں بند رہنا منظور کر لیا ایسی ہی حفاظت انصار سے چاہی گئی اور یہ صاف لفظ تھے کہ انصار دشمنوں کے حملوں کو آپ پر سے روکیں گے اور انصار کے جواب میں جب انہوں نے پوچھا کہ آیا آپ غلبہ کیوقت ہمارا ساتھ تو نہ چھوڑینگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ جس سے تم جنگ کرو اس سے میں جنگ کرونگا اور جس سے تم صلح کرو اس سے میں صلح کرونگا یہ صرف اسی امر کے ظاہر کرنیکے لئے تھا کہ میں اب آخر تک تمہارے ساتھ ہی ہونگا۔ باقی رہا انصار کا یہ خیال کہ آخر آپ کو دشمنوں پر غلبہ ہوگا سو اسکی وجہ یہ نہ تھی کہ اسوقت کوئی ایسا معاہدہ کیا گیا ہو بلکہ قرآن شریف پر اس سوال کی بنا تھی کیونکہ خدائے تعالیٰ کا قرآن کریم میں یہ وعدہ تھا کہ میں آخرکار آنحضرت صلعم اور آپکے ساتھیوں کو غالب کرونگا اور دشمنوں کو مخذول اور ہلاک کرونگا۔ یہ وعدہ یہانتک قرآن شریف میں دہرایا گیا ہے کہ مشکل سے کوئی ایسی صورت ہوگی جسمیں اللہ تعالیٰ نے اس وعدہ کو بیان نہ فرمایا ہو اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو یہ یقین دلانا چاہا کہ جیسا اس بیکسی کی حالت میں تمہارے ساتھ ہوتا ہوں ایسا ہی غلبہ کیوقت بھی تمہارے ساتھ ہی ہونگا اور ہم تم ایک ہونگے اس سے زیادہ ان الفاظ کا کوئی منشا نہیں جو آپنے بولے ہونگے آپ کی یہ مراد تو ہو نہ سکتی تھی کہ جو کام تم کروگے میں اسی میں تمہاری پیروی کرونگا بیعت تو انصار آنحضرت صلعم کی کر رہے تھے اور فرمانبرداری کا اقرار

انہوں نے کیا کہا تھا یہ کیونکر ہو سکتا تھا کہ اُن کے لئے آنحضرتؐ اُنکی فرمانبرداری کا اقرار کرتے بمطابق آپکا حرف وحدت ظاہر کرنیکا تھا اور اس
وعدت کو آپ نے آخر دم تک نبلایا کہ فتح مکہ کے بعد مکہ میں نہیں ٹھہرے بلکہ انصار کے ساتھ ہی مدینہ میں آ کر رہے۔

عقبہ کی بیعت ثانیہ سے پادری سیل یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وعظ اور ترغیب کے طریق کو چھوڑ کر جبکہ
آپ ناکام ہو چکے تھے ایک نئے طریقہ کو جو اس سے زیادہ زبردست تھا عمل میں لائے مگر جیسا ذکر ہے یہ نتیجہ غالباً پادری صاحب نے
صرف اس واقعہ سے نکالا ہے کہ بیعت کے الفاظ میں جنگ کو مدنظر رکھکر حفاظت کا عہد لیا گیا ہے مگر بیعت کے الفاظ میں صاف
طور پر ذکر ہے کہ انصار دشمنوں کے حملوں کو روکیں گے آنحضرت کی حفاظت کرینگے اور آپ کو دشمنوں کے سپرد نہیں کرینگے خواہ کچھ ہی ہو
اب غور کرلو کہ اسکا مدعا تو صرف یہ تھا کہ قریش حملہ کریں تو اس صورت میں ہر طرح اپنی حفاظت کیجاوے اور زبردستی لوگوں کو مسلمان بنانیکا
اسمیں کوئی ذکر نہیں ہے پادری سیل اور اسکے پادری بھائیوں کو ہم سے کہتا ہوں کہ وہ کسی حدیث یا روایت میں ایک لفظ بھی ایسا
نہیں دکھا سکتے جسکا صراحتاً یا کنایتاً یہ مفہوم ہو کہ بیعت کی غرض اپنی حفاظت نہ تھی بلکہ اسلام کو بذریعہ تلوار پھیلانا تھا باقی رہا
یہ کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خیال ہو گیا تھا کہ قریش جنگ کرینگے جس صورت میں انکے حملوں کو روکنے کے
لئے اس بیعت میں عہد لیا گیا سو یہ کوئی نیا خیال نہ تھا جو انصار مدینہ کو دیکھکر آنحضرتؐ کے دل میں پیدا ہو گیا ہو جنگ کی پیشگوئیاں
تو قرآن شریف میں بصراحت ان سورتوں میں موجود ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوے کے ابتدائی زمانہ میں نازل ہو چکی تھیں
اور جنکا اوائل زمانہ تبلیغ میں نازل ہونا متفقاً تسلیم کر لیا گیا ہے پس اگر پادری صاحب نے ایسا ہی نتیجہ نکالنا تھا تو عقبہ کی بیعت تک کیوں
گئے یہی کہدیتے کہ ابتدا سے ہی آنحضرت صلعم جنگ کی تیاریاں کر رہے تھے اور اسلام پھیلانے کیلئے تلوار کو ہاتھ میں لینا چاہتے تھے مثلاً
سورہ جن میں جسکا نازل ہونا اسوقت مانا گیا ہے جب آپ طائف سے واپس آ رہے تھے یہ آیات ہیں حتی اذا راوا ما یوعدون
فسیعلمون من اضعف ناصرا و اقل عددا یعنی جب کفار دیکھ لینگے ان باتوں کو جنکا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے تو اسوقت
انکو معلوم ہوگا کہ کس کے مددگار کمزور ہیں اور کس کا جتھا کم ہے۔ اب اس جگہ مددگاروں اور جتھے کا ذکر صاف بتا رہا ہے کہ یہ جنگ کی
طرف اشارہ ہے کیونکہ مددگاروں اور جتھوں کی ضرورت جنگ میں ہی پڑتی ہے نہ کسی اور غرض کے لئے اور کفار کو یہ بتایا گیا ہے
کہ آج مسلمان انکی نظروں میں تھوڑے اور کمزور ہیں تو وہ اسپر فخر نہ کریں عنقریب وہ دن آتا ہے کہ ثابت ہو جائیگا کہ کمزور اور
تھوڑے کون ہیں اب طائف میں جو سلوک ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا تھا اسکے متعلق تو شاید پادری سیل بھی انکار نہیں کر سکتا۔
کہ وہاں سے آنحضرت صلعم کوئی ایسی امیدیں لیکر نہ آئے تھے کہ اب چلکر کفار کیساتھ جنگ کرکے انکو تباہ کر دینگے ہیں اور سورتوں میں جو اس
زمانہ سے بہت پہلے کی نازل ہوئی ہوئی ہیں اس سے بھی زیادہ صراحت سے جنگ اور کفار کی شکست کی پیشگوئیاں پائی
جاتی ہیں مثلاً سورۃ القمر میں جسکو راڈول اور میور دونوں نے ابتدائی زمانہ کی سورۃ مانا ہے۔ یہ پیشگوئی ہے۔ ام
یقولون نحن جمیع منتصر ۰ سیھزم الجمع و یولون الدبر۔ کیا کفار مکہ کہتے ہیں کہ ہمارے بڑی جماعت ہے
جو ایک دوسرے کی مدد کر سکتے ہیں۔ عنقریب یہ تمام کی تمام جماعت شکست کھائے گی اور مسلمانوں کے مقابلہ

پر پیٹھ پھیر کر بھاگ جائینگے ایسا ہی سورہ ص میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور یہ بھی ابتدائی زمانہ کی وحی ہے جند ما ھنالک مھزوم من الاحزاب یعنی احزاب کا ایک لشکر جو تمہاری مخالفت پر اسجگہ آمادہ ہوا ہے اسکو شکست دیجاویگی اب دیکھنا یہ ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ابتدائی زمانہ کے ہمراہیوں نے ان جنگوں سے مراد جنگ اور کفار کی شکست سے مراد شکست ہی سمجھا یا کچھ اور سو اسکا ثبوت مدنی سورتوں سے ملتا ہے سورہ احزاب میں جہاں جنگ احزاب کا ذکر فرمایا ہے وہ الفاظ ان میں ہیں ولما راٰ المؤمنون الاحزاب قالوا ھذا ما وعدنا اللہ ورسولہ وما زادھم الا ایمانا وتسلیما۔ اور جب مومنین نے احزاب یعنی دشمنوں کے گروہوں کو دیکھا تو وہ بول اُٹھے کہ یہ تو وہی موقع ہے جسکا وعدہ ہم سے اللہ اور رسول نے کیا تھا اور اللہ اور اسکے رسول نے سچ فرمایا تھا۔ اور اس سے انکا ایمان اور انکی فرمانبرداری اور بھی زیادہ ہوگئی + اب ان آیات سے کیسی صراحت سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو ابتدا سے ہی یقین تھا کہ ان پر چڑھائیاں ہونگی اور کفار شکست کھائینگے اسجگہ مومنوں نے کفار کے لشکروں کا بڑا جتھا دیکھتے ہی یہ کہدیا کہ خدا اور اسکے رسول کا وعدہ پورا ہوا یعنی شکست کا انتظار بھی نہیں کیا بلکہ ان کے جتھوں کو دیکھکر اور وعدہ الٰہی کا ایک حصہ پورا ہوتا دیکھکر جھٹ سمجھ لیا کہ اب کفار کو شکست بھی ہوگی سبحان اللہ کیا ایمان تھے دشمن ٹڈی دل کی طرح سر پر کھڑا ہے بھاگنے نکلنے کی کوئی راہ نہیں اور مومن خوش ہو رہے ہیں کہ اب خدا کا وعدہ پورا ہو گیا یہی وہ موقع تھا جب بعض کمزوردلوں کے دل چھوٹ گئے تھے اور وہ طرح طرح کے بہانوں سے الگ ہونا چاہتے تھے جسکا ذکر مفصل قرآن کریم کی سورہ احزاب میں موجود ہے پس یہ تو ثابت ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا مسلمانوں کو بھی پہلے سے ہی علم تھا کہ کفار کی ان سے جنگیں ہونیوالی ہیں خواہ وہ کسی زمانہ میں ہوں مگر میں پادری صاحب سے پوچھتا ہوں کہ ایک بات کا علم ہونے سے کچھ اسکی حقیقت میں فرق آجاتا ہے کیا محض اتنی بات سے کہ لڑائیاں تو اپنی حفاظت کے لئے تھیں مگر چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے صحابہ کو ان جنگوں کا پہلے سے خیال تھا جسکی بنا وحی الٰہی پر تھی ان لڑائیوں کی حقیقت بدلکر وہ دین کے بزور شمشیر پھیلانے کی لڑائیاں بن گئی تھیں جنہیں ناحق کفار کو گھر میں بیٹھے ہوئے دُکھ دیا گیا اگر پیشگوئیوں سے واقعات کی حقیقت ایسی ہی بدل جاتی ہے تو یسوع کی کسی کسی پیشگوئی کا جو حصہ پورا ہوا اسکے متعلق پادری صاحبان کیا کہیں گے پس جنگ کے وقوع کے خیال کا ابتدا اہالی مدینہ کے اسلام لانے یا عقبہ کی بیعت ثانیہ کے وقت پیدا نہیں ہوا بلکہ اسکے متعلق صریح پیشگوئیاں ابتدا سے ہی ہوچکی تھیں جب ابھی سوائے معدودے چند اشخاص کے کوئی انسان بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ تھا اور آپ کی حالت نہایت ابتدائی تھی۔ مگر اسوقت جنگ اور پھر جنگ میں کفار کو شکست ان واقعات کو ایسا دور از قیاس سمجھا جاتا تھا کہ کفار ان پیشگوئیوں پر کہ وہ مغلوب ہو جائینگے ہنسا کرتے تھے۔

یہ بڑا بھاری جھوٹ ہے کہ عقبہ کی بیعت ثانیہ کی غرض یہ تھی کہ اشاعت اسلام کے لئے بجائے وعظ اور ترغیب کے اب تلوار ہاتھ میں لیکر زبردستی لوگوں کو مسلمان کیا جاوے اور اس سیاہ جھوٹ کے مرتکب وہ پادری صاحبان جو ہندوستان میں

صداقت کی تعلیم پھیلانیکے سامنے سے آتے ہیں جسقدر تفصیلات اس بیعت کی لکھتی ہیں اسی قدر زیادہ صراحت سے اسبات کا ثبوت ملتا
ہے کہ اسمیں غرض صرف اپنی حفاظت اور دشمنوں کے حملوں کا روکنا تھا نہ کوئی اور غرض۔ قبل اسکے کہ انصار نے بیعت کا یہ اقرار کیا عباس
بن عبادہ نضلۃ الانصاری نے اُٹھکر اپنی قوم کو ان الفاظ میں مخاطب کیا کہ اے خزرج کے گروہ! کیا تم جانتے ہو کہ کس چیز پر تم اس شخص
یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کرتے ہو انہوں نے کہا ہاں اسنے کہا تم اسکی بیعت سفید و سیاہ یعنی عرب اور عجم کی لڑائی
پر کرتے ہو پس اگر تم سمجھتے ہو کہ جب تمہارے مال چھین لئے جاوینگے اور تم میں کے بڑے بڑے لوگ جو اشراف الناس ہیں قتل کر دئے جاوینگے
تو ایسی مصیبت کیوقت میں تم آنحضرت صلعم کو دشمنوں کے حوالہ کر دوگے تو ابھی تم اسکا ساتھ نہ دو خدا کی قسم یہ سب سے بڑی رسوائی دنیا اور
آخرت کی ہے اور اگر تم سمجھتے ہو کہ جس معاہدہ پر تم آپ کو بلاتے ہو اسکو باوجود مالوں کے چھینے جانے اور اشراف کے قتل کئے جانیکے بھی
پورا کروگے تو پھر آپ کو لے لو خدا کی قسم دنیا اور آخرت میں اس سے بہتر کوئی چیز نہیں انصار نے کہا ہم مالوں کے چھینے جانے اور اشراف کے
قتل کئے جانے پر بھی آپ کا ساتھ دینگے اور اسی شرط پر ہم آپ کو لیتے ہیں پس اے خدا کے رسول اسکا اجر ہمکو کیا ملیگا آنحضرت صلعم نے
فرمایا جنت اب اسجگہ بیعت تو حرب احمر اور اسود پر کی ہے جس سے ایک جلد باز پادری جھٹ بول اٹھیگا کہ اسکا منشا یہ تھا کہ دین
اسلام کے پھیلانیکے لئے ساری دنیا سے جنگ کرو لیکن جب اسی کی تشریح ہم ساتھ ہی پڑھتے ہیں تو یہ شرط کہ نہلکۃ الاموال
اور قتل الاشراف پر بھی ہم آپکا ساتھ نہ چھوڑینگے اور دشمنوں کے حوالے ہم آپ کو نہ کر دینگے صاف بتا رہی ہے کہ یہاں دشمنوں کی مدافعت
کا ذکر ہے نہ ان پر چڑھائی کا یا انکو بزور شمشیر مسلمان کرنیکا احمر و اسود سے جنگ اسواسطے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن
جو آپ کی جان لینا چاہتے تھے صرف عرب کے اندر ہی نہ تھے بلکہ عرب سے باہر بھی تھے چنانچہ جن دنوں میں آپ مدینہ میں تھے تو خسرو
پرویز نے اپنے آدمیوں کو بھیجا تھا کہ آپ کو گرفتار کر کے لے آئیں جس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ایک عجیب نشان آپ کی حفاظت
کا ظاہر کیا تھا جس سے وہ سارا منصوبہ شاہ ایران کا خاک میں مل گیا اس سے صحابہ کے حوصلوں کا بھی پتہ لگتا ہے کہ ۷۳ آدمی یہ اقرار کرتے ہیں
کہ اگر ساری دنیا بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ آور ہو تو ہم کل دنیا کا ہی مقابلہ کرینگے اور ہرگز ہرگز آپکا ساتھ نہ چھوڑینگے خواہ
انکے ساری کے ساری اموال لوٹ لئے جاویں اور انکے سردار اور اشراف لوگ سب کے سب قتل کر دیئے جاویں ایک ہی شرط جس پر بار
بار زور دیا گیا یہ تھی کہ کسی صورت میں آنحضرت صلعم کو دشمنوں کے حوالے نہیں کیا جاویگا اگر اسکے علاوہ پادری سیل صاحب ایک لفظ بھی
ایسا دکھاویں جس سے معلوم ہو کہ اسجگہ بیعت میں یہ شرط بھی داخل تھی کہ ہم دین اسلام کو بزور شمشیر پھیلادینگے یا اقل درجہ پر یہی کہ
ہم کفار مکہ پر چڑھائی کر کے انکو نیست و نابود کر دینگے اگرچہ ثانی الذکر معاہدہ بالکل درست بھی ہوتا کیونکہ کفار مسلمانوں کے چھوٹے سے
گروہ کو بیحد تکلیفیں دے چکے تھے لیکن اگر پادری سیل صاحب کسی تاریخ یا سیرت یا حدیث کی کتاب سے نکالکر دکھاویں تو میں اپنے تمام دلائل کو
واپس لیکر انکی بات کو تسلیم کر لونگا لیکن اگر یہ پادری صاحب کے اپنے دماغ کا ہی اختراع ہے اور وہ اسکی کوئی اصلیت نہیں دکھا سکتے تو تقاضا
شرم و حیا یہ ہے کہ وہ اسبات کا کھلے طور پر اقرار کر دیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے صحابہ رضی نے اسلام کو بزور شمشیر پھیلانیکا کبھی ارادہ نہیں کیا
اصل بات صرف اسی قدر ہے کہ انصار مدینہ کی طرف سے آنحضرت صلعم کی حفاظت کا ایسا وعدہ ہونا آنحضرت صلعم کے مدینہ جانیکے لئے نہایت ضروری تھا جسکی

ایک وجہ تو میں پہلے بھی دے چکا ہوں کہ مکہ میں بنی ہاشم اپنے تعلقات قرابت کے سبب سے آنحضرت کی محافظت کو اپنا فرض سمجھتے تھے مگر مدینہ میں انصار سے چونکہ اس قسم کے تعلقات نہ تھے اسلئے معاہدہ یا اقرار بیعت ان الفاظ میں ضروری تھا کہ وہ اخیر تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہ چھوڑیں گے اسجگہ اسقدر تشریح کر دینا میں ضروری سمجھتا ہوں کہ حفاظت سے کیا مراد ہے اسجگہ ہندوستان میں مثلاً کل رعایا گورنمنٹ کے زیر حفاظت ہے یعنی اگر کوئی شخص کسی کو مار ڈالے تو گورنمنٹ اس سے بازپرس کریگی مگر گورنمنٹ کی حفاظت کا یہ منشا نہیں کہ ایک ایک فرد رعایا کیساتھ ایک پہرہ پولیس کا رکھے کوئی اسکو نہ مار ڈالے عرب میں ایسی منتظم گورنمنٹ تو تھی نہیں پس ہر ایک قوم یا قبیلہ ہی گورنمنٹ کا کام دیتا تھا یعنی وہ حفاظت جو ہمکو اسجگہ بوجہ گورنمنٹ کے نیچے ہونیکے حاصل ہے وہاں ہر ایک قوم یا قبیلہ کے فرد کو اس لحاظ سے حاصل تھی کہ وہ اس قوم کا یا قبیلہ کا فرد ہے ایسی حفاظت بنی ہاشم کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھی کیونکہ آپ بنی ہاشم میں سے تھے لیکن جب اپنی قوم کو چھوڑ کر کوئی شخص کسی دوسری قوم میں جاتا اور اس دوسری قوم کے ساتھ ہی رہنا یا ملنا پسند کرتا تو اسکے لئے ضروری تھا کہ اب وہ دوسری قوم اسکی حفاظت کا وعدہ کرے کہ وہاں تعلقات خون تو ہیں نہیں جنکے سبب سے ایسی حفاظت اسے خود بخود حاصل ہو انصار کی حفاظت کا وعدہ جو عقبہ کی بیعت ثانیہ کیوقت ہوا وہ اس دوسری قسم کی حفاظت تھی دوسری وجہ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسقدر پکے اور مضبوط وعدہ لینے کی کیا ضرورت تھی یہ تھی کہ قریش کے ارادے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہمیشہ بہت بد تھے اور وہ ہمیشہ ایسے منصوبے گانٹھتے رہتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیا جاوے پس جب تک آپ مکہ میں تھے اسوقت تک قریش کم از کم اسقدر تو مطمئن تھے کہ وہ ہمارے زیر نظر ہیں جب چاہینگے انکا کام تمام کر دینگے اور انکے سلسلہ کو نیست و نابود کر دینگے مگر دوسری جگہ چلے جانے پر یہ بات باقی نہ رہیگی پس یہ ظاہر تھا کہ آپ کے مدینہ تشریف لیجانے پر انکی مخالفت کی آگ اور بھی تیزی سے بھڑک اٹھیگی اور وہ پہلے سے بھی زیادہ سخت ذرایع اسلام کو نیست و نابود کرنیکے اختیار کریں گے اسکا قیاس اسی سے ہو سکتا ہے کہ جب آپ طایف سے واپس آئے حالانکہ وہاں سے جس حالت میں واپس آئے وہ کفار کیلئے موجب خوشی کا تھا مگر پھر بھی محض آپ کے دوسری جگہ تشریف لیجانے کی وجہ سے انکی مخالفت تیز ہو گئی تھی اور طایف سے واپس آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل نہیں ہو سکے بلکہ باہر ہی ٹھہرے رہے یہانتک کہ ایک رئیس مطعم کی طرف سے آپ کو یہ اطمینان دلایا گیا کہ کفار شرارت سے باز رہیں گے تب آپ نے اسکے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے جن لوگوں کی مخالفت کی یہ حالت ہو چکی تھی ظاہر ہے کہ ان سے اس حالت میں کیا امید رکھی جا سکتی تھی جب وہ یہ بھی دیکھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نئی جماعت بنالی ہے جہاں وہ اپنے کام کو اپنے حسب منشا بذریعہ تبلیغ ترقی دیسکتے ہیں اور یہاں وہ معمولی طریق سے انکو روک نہیں سکیں گے۔

اس مقام پر اس بات کا بیان کر دینا بھی ضروری ہے کہ انبیاء کو جو حفاظت کے وعدے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں یہ امر ان وعدوں کے منافی نہیں کہ انبیاء علیہم السلام معمولی انسانوں کی طرح حفاظت کے سامانوں سے فائدہ اٹھائیں یا ان کو مد نظر رکھیں میری سمجھ میں حفاظت الٰہی کا یہ منشا ہوتا ہے کہ باوجودیکہ وہ معمولی انسانوں کی طرح معمولی انسانی حالات کے

ماتحت ہوتے ہیں اور معمولی انسانی سامانوں سے ہی فائدہ اُٹھا سکتے ہیں مگر خدا تعالیٰ پھر بھی انکی حفاظت غیر معمولی طور پر کرتا ہے اور ان راہوں سے انکو بچا کر نکالتا ہے جنسے معمولی انسان بچکر نہیں نکل سکتے مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات پر غور کرو آپ بیشک ایک ایسے خاندان میں سے تھے جو مکہ میں عزت اور وجاہت رکھتا تھا اور آپکے چچا ابو طالب نے بیشک کل قوم کی مخالفت کو گوارا کیا مگر آپکا ساتھ نہ چھوڑا اور آپکو کفار کے حوالہ کرنے سے انکار کیا مگر یہ جسقدر حفاظت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو میسر آئی ایسی حفاظت اور بھی ہزارہا انسانوں کو دنیا میں میسر ہوتی ہے جو ذرا ذرا سی بات پر قتل کئے جاتے ہیں عرب کی طبائع ہی کچھ ایسی واقع تھیں کہ ایک انسان کو مار ڈالنا ان کے نزدیک کچھ بھی وقعت یا حقیقت نہ رکھتا تھا وہ ایک سخت کینہ ور قوم تھی جنکا کینہ آجتک شہرۂ آفاق ہے ادنیٰ ادنیٰ بات پر خون کر دینا انکے نزدیک معمولی امر تھا خواہ اسکے کیسے ہی بدنتائج خانہ جنگی کے سبب سے بھگتنے پڑیں اب انہی لوگوں کے درمیان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاموش نہیں بلکہ علانیہ انکے بتوں کی مذمت کرتے اور خود انکو عذاب کی دھمکیاں دیتے تھے اگر آپ صرف اسی قدر کرتے کہ ایک نئے مذہب کا وعظ کرتے لیکن عربوں کے قومی مذہب اور انکی بت پرستی کے خلاف کچھ نہ کہتے تو انکو بھی آپکی مخالفت سے کوئی سروکار نہ ہوتا مگر بتوں کی مذمت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شب و روز کرتے تھے اس سے بڑھکر عرب کو اشتعال دلانیوالی اور کوئی بات نہ تھی بلکہ یہ ایک ایسی بات تھی جو انکو دیوانہ کر دیتی تھی اب دوسری طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھو کہ تنہا دن کو اور رات کی اندھیری گھڑیوں میں باہر جاتے تھے اور کوئی پہرہ آپ کیساتھ نہ ہوتا تھا بلکہ آپ مسلح بھی نہ ہوتے تھے پس ایسے اشتعال کے ہوتے ہوئے اور اس آسانی کے باوجود وہ کونسی چیز تھی جس نے کفار کو آپکے قتل سے روک رکھا یا اگر کبھی انہوں نے کوئی منصوبہ کیا تو وہ منصوبہ خاک میں ملگیا اور اس میں کامیابی نہ ہوئی یہ تھی حفاظت الٰہی جو خدا کی طرف سے آپکے شامل حال تھی اور جسکے بغیر آپ ایک دن بھی زندہ نہ رہ سکتے تھے ایسا ہی مدینہ کو جانیکا ارادہ کرنے وقت بیشک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام ظاہری سامان حفاظت کئے جو ایک معمولی انسان کرتا ہے مگر کیا یہ احتیاطیں آپ کی جان کو بچانیکے لئے کافی تھیں ہرگز نہیں اور میں آگے چلکر دکھاؤنگا کہ ان حفاظتوں اور احتیاطوں پر آپ کو کوئی بھروسہ نہ تھا اور نہ ہی یہ کافی تھیں بلکہ اصل بھروسہ آپکا محض حفاظت الٰہی پر تھا اور یہ تمام سامان اسلئے آپ کرتے تھے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ جہانتک انسان کی اپنی حفاظت کا سامان کرے اور اپنی جان کو ارادتاً ہلاکت میں نہ ڈالے ولا تلقوا بایدیکم الی التہلکۃ

اب ایک اور امر قابل غور ہے اگر عقبہ کی بیعت ثانیہ کا منشا اسلام کو بذریعہ شمشیر پھیلانا تھا تو جو عہد انصار سے لیا گیا تھا وہی مہاجرین یعنی اہل مکہ سے بھی لینا چاہئے تھا مگر یہ کہیں سے ثابت نہیں ہوتا کہ جو مسلمان مکہ میں موجود تھے انہوں سے ازسرنو بیعت کی تھی ہاں صلح حدیبیہ کیوقت ایک بیعت کا لیا جانا پایا جاتا ہے سو وہ کئی سال بعد کا واقعہ ہے پس اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے بیعت اسوجہ سے لی تھی کہ آپ جانتے تھے کہ جب آپ مدینہ میں جائینگے تو کفار قریش آپ پر حملہ آور ہونگے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انصار نے خود بلایا تھا کیونکہ دونوں روایتوں میں جو اوپر نقل کی گئی ہیں۔ یہ الفاظ پائے جاتے ہیں۔ کہ ہم دعوت

یعنی جس وعدہ پر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلاتے ہو مگر پادری صاحبان کی یہ منطق ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محض مکہ کو چھوڑ کر مدینہ میں تبلیغ کرنے یا ایسا ارادہ کرنے سے اس تبلیغ کی حقیقت کیونکر بدل گئی۔

پادری سیل نے یہ بھی دعوے کیا ہے کہ وعظ اور ترغیب کا طریق جو آنحضرت صلعم نے پہلے اختیار کیا تھا اس میں آپکو ناکامی ہوئی اور اسلئے آپ نے نیا طریقہ یعنی بزور شمشیر دین پھیلانیکا اختیار کیا۔ میں پوچھتا ہوں کہ خزرج اور اوس کس طرح مسلمان ہو گئے کیا یہ وعظ اور ترغیب کا ہی طریق تھا یا بزور شمشیر ان لوگوں کو مسلمان کیا گیا تھا؟ پادری صاحبان نے صرف اپنے مذہب کی خاطر یہ جھوٹ بنایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عرب کو بذریعہ وعظ مسلمان بنانے سے مایوس ہو چکے تھے حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ مدینہ میں آپکے ایک صحابی کے وعظ سے اسلام کا چرچا گھر گھر میں پھیل گیا تھا اور ایک ہی سال میں کئی لوگ مسلمان ہو گئے تھے اور مکہ میں باوجود قریش کی سخت درجہ کی مخالفت کے بہت سے لوگ مسلمان ہو چکے تھے جنمیں سے بعض تو علانیہ اظہار اسلام کر کے تکالیف اٹھا رہے تھے اور بعض کمزور ابھی انہی تکالیف کے ڈر سے کھلا اظہار اسلام نہ کر سکتے تھے اسلام کے اصول خود اپنے اندر ایسی کشش رکھتے ہیں کہ وہ دن بدن دلوں کو اپنی طرف کھینچے چلے جاتے تھے پس ان کامیابیوں کو جو کہ میں آپ کو حاصل ہوئی تھیں ناکامی کہنا اگر عمداً کذب اختیار کرنا نہیں تو حماقت ضرور ہے۔ ہاں اگر پادری صاحب یہ کہتے کہ مکہ سے آنحضرت صلعم کا بھاگنا اس بات کی دلیل ہے کہ مسلمانوں کے اسوقت تک وہاں قدم نہ جم سکتے تھے تو یہ اور بات تھی مگر اسکو صحیح معنوں میں ناکامی نہیں کہا جا سکتا نجاشی شاہ حبش اور مدینہ کی اقوام خزرج اور اوس اور قریباً تین سو کے مرد و زن جو کہ مکہ میں تھے یہ سب وعظ سے ہی اسلام لائے تھے پادری سیل کے نزدیک شاید کامیابی کے یہ معنے ہوں گے کہ ایک آدمی گدھے پر سوار ہو اور عوام الناس اور جہلا اسکے آگے خوشی کے نعرے بلند کر رہے ہوں مگر جب ذرا سی مصیبت اسپر آئے تو ایک بھی آدمی اسکے ساتھ نہ رہے مگر کسی سمجھدار انسان کے نزدیک ایک بانی مذہب کیلئے یہ امر کامیابی کا موجب نہیں ہو سکتا کامیابی قلیل و کثیر تعداد پر منحصر نہیں بلکہ اسبات پر منحصر ہے کہ جو آدمی ایک نبی کیساتھ ہوئے ہیں وہ ایسے تو نہیں جو جہلا کی طرح ایک بات سنکر خوش ہو گئے اور ذرا سی تکلیف کیوقت دم دبا کر بھاگ گئے اور آیا ان میں وہ صبر اور استقامت پائی جاتی ہے جو شدید سے شدید مصائب کیوقت بھی انکو متزلزل نہیں کر سکتی اسی قسم کے سینکڑوں آدمی آنحضرت صلعم کے مکہ میں وعظ کرنے سے پیدا ہو چکے تھے جنکے لئے خدا کی راہ میں مال و عزت وجاہت کا قربان کرنا تو ایک طرف رہا جان کا قربان کرنا بھی کچھ مشکل امر نہ تھا پادری صاحب اور نہیں تو میور صاحب کے اقرار کو ہی پڑھ لیں جو انہی کی طرح دل سے دشمن اسلام ہے مگر جسکو صحابہ کی حالت دیکھکر ان باتوں کا اقرار کرنا پڑا اور پھر سوچیں کہ یہ کیسی کامیابی آنحضرت صلعم کو ہو چکی تھی وہ کہتا ہے "اس سے یعنی ہجرت سے ۱۲ سال پہلے مکہ اس ذلیل حالت میں مردہ پڑا تھا مگر ان تیرہ برسوں نے عجیب تبدیلی پیدا کر دکھائی کئی سو آدمیوں کے ایک گروہ نے بت پرستی کو چھوڑ دیا ایک خدا کی پرستش اختیار کی اور جس کلام کو وہ خدا کی وحی مانتے تھے اسکی سچے دل سے تابعداری کی وہ اکثر اور بہت ہی خضوع خشوع سے بارگاہ الٰہی میں دعائیں کرتے اور اسی کے رحم کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتے۔ اور اعمال صالح۔ سخاوت پاکیزگی اور میانہ روی کی راہوں میں چلنے کی کوشش کرتے تھے۔ ان کے دل اس احساس سے

بھر چکے تھے کہ وہ ہر وقت ایک مقتدر ہستی کے تصرف کے نیچے ہیں اور اسی کو وہ اپنی چھوٹی سے چھوٹی ضروریات کا مہیا کرنیوالا اور ربنا اور رب سمجھتے تھے ہر ایک نعمت میں جو انکو ملتی زندگی کے ہر ایک معاملہ میں اپنے تمام کاروبار میں خواہ وہ افراد کے متعلق ہوں یا پبلک کے غرضیکہ ہر ایک امر میں وہ خدا کا ہاتھ کام کرتا ہوا دیکھ رہے تھے اور سب سے بڑھکر یہ کہ یہ نئی زندگی جس نے انکی طبیعتوں کو ایک عجیب لذت اور سرور سے بھر دیا تھا اسکو وہ خدائے تعالیٰ کا خاص فضل سمجھتے تھے اور دوسری طرف وہ گویا یہ مشاہدہ کر رہے تھے کہ انکے اندھے ہموطنوں کا کفر پر باصرار تمام جمے رہنا انکی قساوت قلبی کی وجہ سے ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکے اندر زندگی کی روح پھونکی اور وہی خدا کے نیچے انکی نئی امیدوں کے سرچشمہ تھے اور اسی لئے وہ آپ کی سچے دل سے فرمانبرداری کرتے تھے اسقدر تھوڑے زمانہ میں مکہ میں اس عجیب تحریک کی وجہ سے دو گروہ ہو گئے تھے جو قوم اور قبیلہ کی پرانی تفریق کو بالائے طاق رکھکر ایک دوسرے کے خلاف خونخوار مخالفت پر کمربستہ ہو گئے تھے مومنین نے کفار کی ایذارسانی اور تکلیف دہی کو صبر اور استقلال سے برداشت کیا اور اگرچہ ایسا کرنمیں انہوں نے دوراندیشی سے کام لیا مگر تاہم اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ انہوں نے اعلےٰ درجہ کی برداشت اور بردباری دکھائی ایکسو مرد اور عورتوں نے اپنے گھروں کو چھوڑ کر ملک حبش میں جا پناہ لی مگر اپنے ایمان کو ہاتھ سے دینا گوارا نہ کیا اور اب اس سے بھی بڑی تعداد نے آنحضرت صلعم سمیت اپنے وطن مالوف اور اسکے پاک عبادتگاہ کو جو انکے نزدیک کل روئے زمین پر سب سے مقدس جگہ تھی چھوڑ کر مدینہ کو ہجرت کی مدینہ میں اس جرأت انگیز جادو نے دو تین سال کے اندر ایک ایسی جان نثار جماعت تیار کر دی تھی جو اپنی جانوں کو آنحضرت صلعم اور آپکے صحابہ رض کی حفاظت کے لئے قربان کرنے کو تیار رکھتی یہودی بھی اپنے مذہب کا وعظ مدت سے کر رہے تھے مگر وہ اپنی خواب سے بیدار نہیں ہوئے جبتک آنحضرت صلعم کی زندگی بخش آواز ان کے کانوں میں نہیں پڑی اور جیسے انہوں نے اس آواز کو سن لیا تو ایک نئی اور پرجوش زندگی کی روح ساتھ ہی انمیں پھونکی گئی۔"

یہ شہادت جو ایک سخت مخالف کے قلم سے نکلی ہوئی ہے ایک طالب حق کو یقین دلادیگی کہ جو کامیابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں تیرہ سال کے اندر ہوئی وہ دنیا کی تاریخ میں ایک بے نظیر کامیابی ہے لیکن پادری صاحبان کے لئے اسلام کی کسی عمدگی یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی فضیلت کا اقرار کرنا موت سے بھی سخت تر ہے۔ مگر تعجب ہے کہ ایک فقرے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ناکامی منسوب کر کے ساتھ ہی دوسرے فقرے میں پادری سیل کہتا ہے کہ "اسلام کی ملکی اور مذہبی ملی ہوئی ترقی ایک منزل کو طے کر چکی تھی اور اب عرب کی کل اقوام کو متفق کر لینا زیادہ قریب قیاس معلوم ہوتا تھا" اب اس فقرے میں پادری صاحب تسلیم کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کامیابی ہوئی تھی اور یوں انکا دوسرا فقرہ انکے پہلے فقرے کی تردید کرتا ہے بات یہ ہے کہ ایک طرف تو پادری صاحب نے یہ دکھانا تھا کہ دین کے پھیلانے کے لئے تلوار اٹھانے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ وعظ کے ذریعہ کوئی کامیابی نہ ہوئی تھی اور دوسری طرف

انکو یہ ثابت کرنا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اسقدر جمعیت تھی جو تلوار پکڑ کر عرب کو فتح کر سکے اب پادری صاحب خود ہی بتا دیں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بذریعہ وعظ دین اسلام پھیلانے میں ناکام ہوئے تھے تو وہ آدمی کہاں تھے جن کے بھروسے پر آپ نے تلوار اٹھائی اور اگر آپ کے ساتھ اسقدر زبردست افواج مل چکی تھیں حالانکہ یہ تو وہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ اسوقت تک آپ نے صرف وعظ سے ہی کام لیا تھا تو پھر وعظ میں ناکامی کیونکر ہوئی اصل بات یہ ہے کہ حق ان دونو دعووں کے بین بین ہے نہ تو آپ ناکام ہی ہوئے تھے کہ آپ کیساتھ ایک بھی آدمی نہ ہو اور نہ ہی آپ اسقدر جمعیت حاصل کر چکے تھے جو بزور شمشیر کل عرب کی جنگی اقوام کو فتح کرلے جنگ بدر میں جو آپ کی مشہور لڑائیوں میں سے پہلی لڑائی ہے جو ہجرت سے ایک سال اور عقبہ کی بیعت ثانیہ سے دو سال سے زیادہ عرصہ بعد وقوع میں آئی آپ کے ساتھ صرف ۳۱۳ کل لڑنیوالے تھے جنمیں وہ نوجوان بچے بھی شامل تھے جنکی عمریں ابھی تک بیس سال تک بھی نہیں پہنچی تھی اس سے قیاس ہو سکتا ہے کہ اس سے دو سال پہلے آپکے ساتھ کسقدر جمعیت جنگ کرنیوالی تھی جسکے بھروسہ پر آپ نے دین کو بزور شمشیر پھیلانا چاہا اسمیں شک نہیں کہ بدر کے موقع پر کفار کی طرف سے بھی ایک ہزار ہی لڑنیوالے نکلے تھے مگر اسکی یہ وجہ نہ تھی کہ ان کے پاس اس سے زیادہ لڑنیوالے نہ تھے بلکہ وہ مسلمانوں کی طاقت کو اسقدر کمزور سمجھتے تھے کہ انہوں نے اسی فوج کو مسلمانوں کی جماعت کے نیست ونابود کرنیکے لئے کافی سمجھا تھا

عقبہ کی بیعت ثانیہ کے بعد آپ نے حکم الٰہی سے اپنے پیرووں کو یہ اجازت دیدی کہ وہ مدینے کو چلے جائیں چنانچہ معاً تیاریاں شروع ہو گئیں اور اکیلے اکیلے یا دو دو چار چار ہو کر مسلمان نکلنے شروع ہو گئے اور حتی الوسع انکی روانگی مخفی طور پر ہوئی تھی اب اگر قریش کی ایذارسانی اس حد تک ختم ہو جاتی تو ہم سمجھ لیتے کہ انکو اسلام کے نیست ونابود کرنیسے کوئی غرض نہ تھی بلکہ وہ صرف بتوں کی مذمت یا کسی اور وجہ سے مسلمانوں کا مکہ میں رہنا پسند نہ کرتے تھے اور اسی لئے انہیں دکھ دیتے تھے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ایذارسانی کا اسجگہ خاتمہ ہوجانا تو مسلمانوں کے مکہ کو چھوڑنے میں یہ اور بھی ترقی کر گئی جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قریش نے اپنے دل میں یہ ٹھان لیا ہوا تھا کہ اسلام کو نیست ونابود کر کے ہی چھوڑیں گے اسلئے وہ یہ گوارا نہ کرتے تھے کہ مسلمان امن سے کسی دوسری جگہ جا آباد ہوں کیونکہ ان کو اندیشہ تھا کہ اگر ایسا ہوا تو اسلام کے پیر جم جائینگے اور پھر اسکی ترقی کو روک نہ سکیں گے چنانچہ اس موقعہ پر بڑی بڑی بیرحمیوں کا ارتکاب کفار نے کیا مثال کے طور پر میں ایک نظیر بیان کرتا ہوں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اپنے خاوند کیساتھ آنحضرت صلعم کا حکم سنتے ہی مکہ سے نکل پڑے انکی گود میں ایک چھوٹا سا بچہ بھی تھا ابو سلمہ نے اپنی بیوی اور بچے کو اونٹ پر سوار کر کے خود اسکی مہار پکڑ کر بے سرو سامانی کی حالت میں مدینہ کا راہ لیا ابھی تھوڑی دور نکلے تھے کہ بنی مغیرہ کے بعض لوگوں نے انکو دیکھ لیا اور ابوسلمہ سے اونٹ کی مہار لیکر اسے تو جانے دیا اور اس کی بیوی اور بچے کو واپس لے آئے جب ابوسلمہ کے قبیلے بنی عبدالاسد کو اس کی خبر پہنچی تو وہ بچے کے دعوے دار ہوئے اور

دونوں فریقوں میں کشمکش ہوئی آخر بچے کو تو بنی عبد الاسد لے گئے اور ام سلمہ اکیلی بنی مغیرہ کی حراست میں رہیں۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ میں صبح کو باہر نکلجاتی اور وادی میں بیٹھکر شام تک وہیں رویا کرتی اور اسی طرح ایک سال مجھپر گذر گیا ایک دن وہ اس طرح بیٹھی رو رہی تھی کہ انکے قریبی رشتہ داروں میں سے ایک کا گذر انپر ہوا اسے ترس آیا تو اسنے بنی مغیرہ کو ملامت کی جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ بنی مغیرہ نے ام سلمہ کو اجازت دیدی چنانچہ وہ اپنے بچے کو بنی عبد الاسد سے واپس لیکر اکیلی مدینہ کو چلیں جب مقام تنعیم پر پہنچیں تو وہاں انکو عثمان بن طلحہ مل گئے اور جب انکو دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ اکیلی مدینہ کو جارہی ہیں تو انہوں نے اونٹ کی مہار پکڑلی اور جبتک مدینہ میں انکو انکے خاوند کے پاس نہیں پہنچادیا واپس نہیں ہوئے۔ غرض اس طرح سے جہاں قریش کا زور چلتا وہ بھاگنے والوں کو پکڑ کر سخت ایذائیں دیتے مگر صحابہ رضی اللہ عنہم جسطرح سے بن پڑتا چھپ چھپ کر نکلے جارہے تھے بعض نے ان میں سے ایسا بھی کیا کہ کفار کو اپنا سارا مال دیکر نکلجانے پر رضامند کرلیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں مکہ مسلمانوں سے بالکل خالی ہوگیا صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما رہ گئے حضرت ابوبکر رض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بارہا عرض کرتے کہ آپ کو بھی اب ہجرت کرنی چاہیئے مگر آنحضرت صلعم ہمیشہ یہی فرماتے کہ مجھے ابھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم نہیں پہنچا یہ بات بہت قابل غور ہے کہ اسطرح چاروں طرف سے دشمنوں سے گھرے ہوئے ہیں اور دشمن بھی وہ جنکی غضب کی آگ مسلمانوں کے مدینہ میں جانیسے اور بھی تیزی سے بھڑک اٹھی ہے ایسے حالات کے ماتحت کوئی معمولی انسان ایک دن کیلئے بھی ایسی جگہ میں رہنا پسند نہ کرتا کیونکہ ظاہری حالات سے اس طرح تن تنہا دشمنوں میں رہنا ایک نہایت خطرناک امر تھا مگر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی خطرہ کی پرواہ نہیں کی اور نہ کسی دشمن کی دشمنی کو کچھ چیز سمجھا نہ انکی طاقتوں اور منصوبوں کی حقیقت سمجھی بلکہ یہی فرمایا کہ میں خدا کے حکم کا منتظر ہوں اب بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ پر ایسا مضبوط ایمان اور اسکے وعدوں پر ایسا بھروسہ اور اسکے احکام کی ایسی فرمانبرداری کی نظیر کہاں ملتی ہے دشمنوں نے چاروں طرف سے گھیرا ہوا ہے اور دن رات آپکے ہلاک کرنیکے لئے منصوبے کر رہے ہیں دوست سب کئی سو میل کے فاصلے پر بیٹھے ہیں مگر آپ خدا کے حکم کے منتظر ہیں کہ کب وہ حکم دے اور جبتک اسکا حکم نہ آیا انہی دشمنوں میں جو آپکے خون کے پیاسے تھے رہنا پسند کیا ناخدا ترس مخالف ہر خوبی کی بات میں عیب تلاش کرتا ہے اسموقع پر میور صاحب آنحضرت صلعم کے اس طرح تنہا دشمنوں میں رہ جانیسے حیران ہوکر کہتا ہے کہ شاید اسکی یہ وجہ تھی کہ آپ اس بات کے منتظر تھے کہ مدینہ سے یقینی خبر اس امر کی پہنچ جائے کہ آپکے لئے وہاں انتظام حفاظت کافی ہے مگر پادری صاحب کو یہ خیال نہ آیا کہ اگر آپ کو اسقدر خیال حفاظت کا تھا تو مکہ میں تنہا دشمنوں میں کیوں بیٹھے ہوئے تھے کیا تعجب نہیں کہ اس شہر میں جہاں آپکے متبعین کل جمع ہوچکے تھے جانیسے حفاظت کے خیال سے ڈریں اور مکہ میں تنہا دشمنوں کے اندر بیٹھے رہیں پھر اگر آپ کو اپنی حفاظت کا ایسا ہی خیال ہوتا تو جب طائف کو آپ اکیلے نکلے تھے اسوقت حفاظت کا کونسا سامان کرلیا تھا پادری صاحب نے خود بھی اپنے بیان کے بوداپن کو کسی قدر

محسوس کیا ہے کیونکہ ساتھ ہی پھر وہ لکھتا ہے "یا ممکن ہے کہ آنحضرتؐ کے مکہ میں ٹھہرے رہنے کی یہ وجہ ہو کہ آپ چاہتے ہوں کہ آپ کی آنکھوں کے سامنے سارے اصحاب پہلے نکل لیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کو یہ خیال ہو کہ شاید اب اہل مکہ پر جہاں دس بھی مسلمان نہ رہ گئے تھے وہ عذاب نازل ہو جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے دیا تھا" اصل بات یہ ہے کہ آپ ؐ ف حکم الٰہی کے منتظر تھے اور آپ کا دل اس یقین سے بھرا ہوا تھا کہ آپ کی حفاظت کرنیوالا اللہ تعالیٰ ہی ہے آپکو کسی اور کی حفاظت کی پروا نہ تھی بلکہ آپکا بھروسہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت پر تھا چنانچہ میں اوپر بھی لکھ چکا ہوں کہ باوجود اسکے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار مدینہ سے کفار کے حملوں کی مدافعت کی بیعت لی مگر آپکو ان حفاظتوں پر بھروسہ نہ تھا بلکہ آپ اسی طرح چلتے جس طرح خدا آپ کو چلاتا تھا اگر آپ ظاہری سامانوں کو مدنظر رکھتے تو چاہیئے تھا کہ بیعت عقبہ کی خبر کے مشہور ہونے پر سب سے پہلے آپ مکہ سے نکلکر مدینہ میں پناہ گیر ہو جاتے مگر آپ کا بھروسہ محض اللہ تعالیٰ کی حفاظت پر تھا اسی لئے آپ اسی کے احکام کے منتظر رہتے تھے۔

ادھر جسوقت آپ یوں تنہا کفار کے درمیان رہ گئے تو وہ لوگ جو اپنی مخالفت میں صحابہ کی ہجرت کیوجہ سے اور بھی تیز ہو چکے تھے اب نئے نئے منصوبے آپ کی ہلاکت کے سوچنے لگے چنانچہ دارالندوہ میں جو ایسے مشوروں کے لئے مقرر تھا قریش کے بڑے بڑے مدبرین نے اکٹھے ہو کر یہ مشورہ کیا کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیئے پہلے یہ تجویز کی گئی کہ آپ کو قید کر لیا جاوے مگر ایک شیخ نجدی جو شیطان مجسم تھا اس مشورہ میں شامل تھا اسنے اس تجویز کی قباحتوں کو بیان کر کے رد کر دیا پھر دوسری تجویز یہ ہوئی کہ آپ کو مکہ سے نکال دیا جاوے مگر یہ بھی شیخ نجدی نے پسند نہ کی آخر ابوجہل اٹھا۔ اور اسنے کہا کہ یہ تجویز کرنی چاہیئے کہ تمام اقوام میں سے ایک ایک مضبوط آدمی چن کر سب کے ہاتھوں میں ایک ایک تلوار دیجاوے اور وہ سب ایسے طور سے آنحضرتؐ پر حملہ کریں کہ سب کی تلواریں یکمرتبہ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لگیں تا کہ قتل کا الزام کسی ایک آدمی یا ایک قوم کے سر پر نہ آوے اس تجویز کی شیخ نجدی نے بھی تحسین کی چنانچہ اسی کے مطابق ایک جماعت قبائل کی جمع ہو کر آنحضرتؐ کے گھر کے باہر جمع ہو گئی اور اسموقع کی تاک میں لگے رہے جبکہ وہ تجویز کے مطابق کل کے کل یکمرتبہ ہی حملہ آور ہو کر آپ کا کام تمام کر دیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ اسموقع پر قرآن شریف میں فرماتا ہے اذ یمکر بک الذین کفروا لیثبتوک او یقتلوک او یخرجوک ویمکرون ویمکر اللہ واللہ خیر الماکرین یعنی وہ وقت یاد کر جب کفار یہ تدبیریں کر رہے تھے کہ تمہیں گرفتار کر کے قید میں رکھیں یا تمکو مار ڈالیں یا جلاوطن کر دیں وہ اپنی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ تعالیٰ اپنی تدبیریں کر رہا تھا اور اللہ بہتر تدبیر کرنیوالا ہے (الانفعال - ۳۰) اس مقام پر قرآن شریف نے کفار کی ان تدابیر کا ذکر کیا ہے جو وہ دارالندوہ میں کرتے تھے اور فرمایا ہے کہ کافر بھی تدبیریں کریں مگر اللہ تعالیٰ نے انکو ناکام کیا اور ایسی تدابیر کیں کہ آنحضرتؐ باوجود اسکے کہ آپ کے گھر کا محاصرہ قاتلین نے کیا ہوا تھا صحیح سلامت انکے درمیان سے نکل آئے اور وہ ایسے مبہوت ہو گئے کہ آپکو پہچان بھی نہ سکے ادھر کفار آپکے ہلاک کرنیکے لئے یہ تجاویز سوچ رہے تھے ادھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بذریعہ وحی یہ اطلاع دی کہ اب ان کفار

پر اتمام حجت ہو چکا ہے جس سے وہ عذاب کے مستحق ہو گئے ہیں اور تمہارے قتل کے لئے وہ منصوبہ بازی کر چکے ہیں اب تمہیں اجازت ہے کہ تم اس شہر کو جو عذاب الٰہی کا مستحق ہو چکا ہے چھوڑ کر مدینہ چلے جاؤ۔ (باقی آیندہ)

اسلامی خطرہ۔

پروفیسر ٹلے ہاورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر نے حال ہی میں امریکہ کے ایک مشہور میگزین میں ایک مضمون بعنوان "کیا مسلمانوں سے کوئی خطرہ ہے" چھپوایا ہے اس سوال کا جواب پروفیسر مذکور نے نفی میں دیا ہے سب سے اول اسلامی سلطنتوں کی حالت پر غور کر کے راقم اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ روم یا ایران یا افغانستان یا مراکش وغیرہ کی سلطنتیں اس قابل نہیں کہ خود بخود عیسائی سلطنتوں پر حملہ کرنے میں ابتدا کریں اور علاوہ ازیں وہ سب کی سب کسی ایک یا زیادہ عیسائی سلطنتوں کے زیر اثر بھی ہیں لیکن زیادہ زور مذہبی پہلو کے لحاظ سے اس مضمون میں دیا گیا ہے پروفیسر ٹلے کہتا ہے کہ خواہ افریقہ کی کچھ ہی حالت کیوں نہ ہو اور وہ بھی اسکے نزدیک بظاہر خطرے کی حالت نہیں لیکن ضرور ہے کہ افریقہ کی اسلامی آبادی پر ہندوستان کے مسلمانوں کے طرز عمل کا اثر پڑے وہ اس بات سے غافل نہیں کہ کسطرح مہدویت کے دعویداروں نے ملک کے امن کو خطرہ میں ڈالا ہے جیسا کہ حال میں ہی مہدی سوڈانی نے انگریزی قوم کو سخت تکلیف میں ڈالا مگر ہندوستان کی نسبت وہ بالکل مطمئن ہے کہ وہاں کے مسلمانوں کے خیالات امن اور صلاحیت کے ہیں اس رائے کی وجہ یہ بیان کرتا ہے جو میں اسکے اپنے الفاظ میں بتاتا ہوں "ہندوستان میں مسلمانوں کی رائے کا عام میلان کیا ہے اسکی شہادت ہمیں ایک نئے مدعی مسیحیت مرزا غلام احمد صاحب کے بیانات اور تحریروں سے ملتی ہے یہ وہی شخص ہے جس نے کچھ تھوڑا عرصہ ہوا شکاگو کے ڈاکٹر ڈوئی کو یہ چیلنج دیا تھا کہ وہ دعا میں انکا مقابلہ کرے اس طرح پر کہ ڈوئی مذکور یہ دعا کرے کہ دونوں مدعیوں میں سے جو جھوٹا ہے وہ دوسرے سے پہلے مر جائے جنگ کے متعلق احمد نے اپنے خیالات کا اظہار ہندوستان کے ایک میگزین ریویو آف ریلیجنز میں ان صاف الفاظ میں کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ آخری مسیح پہلے مسیح کی طرح اسلئے بھیجا گیا ہے کہ وہ اپنا پیغام صلح اور امن پہنچائے اور جہاد کو یعنی بزور شمشیر دین پھیلانے کو موقوف کرے خود زمانہ حامیان جہاد کو زبان حال سے پکار کر کہہ رہا ہے کہ جہاد کے ذریعہ اس شخص کو جو تلاش حق میں ہے کبھی اطمینان نہیں ہو سکتا کوئی مہذب قوم اس زمانہ میں مذہبی اغراض کے لئے تلوار ہاتھ میں نہیں پکڑتی بلکہ تمام مہذب ممالک میں مذہبی عقاید میں پوری آزادی ہر ایک شخص کو حاصل ہے پس ان حالات کے ماتحت غازی مہدی اور خونی مسیح کے منتظروں کو اپنی غلطی پر متنبہ ہو جانا چاہئے ایسے عقاید اللہ تعالیٰ کے منشا کے مخالف ہیں اور عقل بھی ہمیں اسی نتیجہ پر پہنچاتی ہے کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کا یہ منشا ہوتا کہ مسلمان اپنے مذہب کی خاطر لڑائیاں کریں تو چاہئے تھا کہ مروجہ فنون جنگ میں یہی قوم دنیا کی تمام اقوام سے بڑھی ہوئی ہوتی مگر امر واقعہ یہ ہے کہ وہ فنون حرب میں اسقدر پیچھے رہ گئے ہیں اور عیسائی قومیں ان فنون میں اسقدر سبقت لے گئی ہیں کہ یہ خیال محض عبث اور لغو ہے کہ مسلمان عیسائیت کو تلوار سے کبھی نیست و نابود کر سکیں اس سے صاف منشاء الٰہی یہ پایا جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ

اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ اسلام کو بذریعہ تلوار پھیلانیکی کوشش کیجاوے پھر ایک دوسرے موقعہ پر وہ لکھتے ہیں کہ قرآن شریف کی پہلی سورۃ میں پیشگوئی ہے کہ مسلمانوں میں سے ایک مسیح پیدا ہوگا جو پہلے مسیح کی طرز پر آئیگا یعنی وہ تلوار نہیں اٹھائیگا بلکہ سچے دین کو آسمانی نشانوں اور زبردست دلائل کے ذریعہ سے پھیلائیگا' پھر وہ لکھتے ہیں کہ میں تمام دنیا کو اپنی اس پیشگوئی پر جو زمین و آسمان کے قادر مطلق خدا کے نام سے میں کرتا ہوں گواہ ٹھیراتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے پیرودں کو تمام ملکوں میں پھیلائیگا اور وجوہات اور دلائل کے رو سے انکو تمام قوموں پر غالب کرے گا۔"

اس کے بعد پروفیسر مذکور وہ الفاظ لکھتا ہے جنپر تمام مسلمانان ہند کو غور کرنا چاہیئے وہ کہتا ہے "میں یقین کرتا ہوں کہ ہندوستان کے تمام سمجھدار آدمی جہاد کے متعلق یہی عقیدہ رکھتے ہونگے اور ان حالات میں ہندوستان میں کسی مذہبی بغاوت کا ہونا اگر بالکل ناممکن نہیں تو قریب قریب ناممکن ضرور ہے۔"

اسمیں شک نہیں کہ وہ معنے جنکو "اسلامی خطرہ" کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے سب سے بڑھکر غازی مہدی کے مفہوم میں پائے جاتے ہیں اور جبتک یہ عقیدہ کہ ایک ایسا مہدی ظاہر ہونیوالا ہے جو تلوار پکڑکر لوگوں کو مسلمان کریگا دور نہ کیا جاوے تب تک جہاد کے متعلق وہ عقیدہ آدمی ہرگز نہیں رکھ سکتا جسکا اعلان حضرت مرزا صاحب نے کیا ہے عوام کو میں مخاطب نہیں کرتا کیونکہ وہ تو بلا سوچے سمجھے جو بات علماء کہدینگے اسکے پیچھے لگینگے مگر ان لوگوں سے جو اپنی قوت متفکرہ سے کچھ بھی کام لینا چاہتے ہیں میں یہ سوال کرتا ہوں کہ کیا یہ جہادی عقیدہ کہ مہدی بزور شمشیر لوگوں کو مسلمان کریگا مذاہب حقہ اسلام پر سخت دھبہ نہیں اور کیا غیر قوموں کے سامنے ہمیں وہ اسلام پیش کرنا چاہیئے۔ جسکے عقاید کو ایک فاضل پروفیسر مسلمانوں کی امن پسندی اور صلح جوئی پر بڑی بھاری دلیل سمجھتا ہے پھر میں کہتا ہوں کہ اس احسان کا (جو حضرت مرزا صاحب نے جہاد کا یہ غلط عقیدہ دور کرکے مسلمانوں پر کیا ہے) مسلمانان ہند نے کیا بدلہ دیا؟ بجائے اسکے کہ وہ شکر گذار ہوتے اور اس محسن کی قدر کرتے گالیاں نکالی گئیں ایذائیں دی گئیں مقدمات کئے گئے اور ہر طرح سے نیست و نابود کرنے کی تجویزیں کی گئیں آخر ایک فاضل عیسائی نے اگر اس بات کو قبول کیا کہ بیشک اسلام یا مسلمان اسوقت جہاد کے غلط عقیدہ۔۔۔ کو چھوڑ رہے ہیں تو کس وجہ پر؟ اسوجہ پر کہ سلسلہ احمدیہ کا بانی یہی تعلیم دیتا ہے اور اسوجہ پر کہ یہ تعلیم ایسی معقول ہے کہ فاضل پروفیسر کے نزدیک کوئی سمجھدار مسلمان اس سے انکار نہیں کر سکتا کاش مسلمان غور کریں کہ اس سلسلہ کا یہ کسقدر بڑا احسان ہے کہ ایک ایسے دھبہ کو جو کئی سو سال سے اسلام پر لگتا چلا آیا تھا اسی سلسلہ نے آکر دور کیا اور آخر اسلام پر نکتہ چینی کرنیوالوں کو اقرار کرنا پڑا کہ مسلمانان ہند سے ہمیں اب کوئی خطرہ جنگ کا نہیں کیونکہ وہاں سے وہ مہدی اور مسیح پیدا ہوا ہے جسکی تعلیم جہاد کے خلاف ہے اور یوں نہ صرف مذہبی پہلو سے ہی بلکہ ملکی پہلو سے بھی یہ ایک عظیم الشان احسان بانی سلسلہ احمدیہ کا مسلمانان ہند پر ہے ایسا ہی ایک اور اخبار میں جو نیوزیلینڈ سے نکلتا ہے اور جسکا نام آک لینڈ سٹار ہے کوئی چھ ماہ ہوئے اسی "اسلامی خطرہ" کے مضمون پر ہی بحث کرتے ہوئے لکھا تھا کہ مسلمانان ہند سے ہم بالکل مطمئن ہیں کیونکہ "انہیں ایام میں وہاں ایک نیا مسلمان مسیح مرزا غلام احمد اٹھا ہے جو مسلمان اقوام کو امن کی تعلیم دیتا ہے لیکن یہ نیا رسول کھلے طور پر یہ کہہ رہا ہے کہ آخری مسیح اسلئے بھیجا گیا ہے کہ اپنا پیغام صلح اور امن سب کو پہنچائے اور جہاد یا بذریعہ تلوار مسلمان کرنیکی قبیح رسم کو دور کرے۔" غرضیکہ اسوقت دنیا کے مختلف ممالک میں یہ امر تسلیم کر لیا گیا ہے کہ سلسلہ احمدیہ نے اسلام پر سے ایک بڑے دھبہ کو دور کیا ہے اور

ہوں نہ صرف مسلمانوں کے ایک مذہبی عقیدہ کی غلطی کو ہی دور کیا ہے بلکہ ملکی رنگ میں بھی فائدہ انکو پہنچایا ہے کہ غیر اقوام کو یا خود گورنمنٹ کو جو انپر بدظنی تھی اسکے دور کرنے میں بڑی بھاری مدد دی ہے ان تحریرات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ رسالہ کہاں کہاں تک پہنچا ہے اور اسکی تحریرات کو بڑے بڑے فاضل پروفیسروں اور اخبار نویسوں نے کس عزت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ پروفیسر ٹاے منجملہ ان اشخاص کے ہیں جنکو ہم دو تین سال سے مفت رسالہ بھیج رہے تھے اور ہمیں کچھ علم نہ تھا کہ آیا وہ اسکو ردی میں ہی پھینک دیتے ہیں یا اسکو پڑھتے ہیں اور اگر پڑھتے ہیں تو کیا اثر انپر ہوتا ہے لیکن انکی اس تحریر نے ہمیں بتا دیا ہے کہ یہ سلسلہ مفت رسالے باہر بھیجنے کا دین حق کے پھیلانے میں ایک نہایت ہی مفید طریق ہے جس سے تھوڑا خرچ کر کے اسلام کی بڑی بھاری خدمت ہو سکتی ہے اور اگرچہ ہمیں اسوقت علم نہ ہو سکے کہ کیا کیا مفید نتیجے اس سے پیدا ہوتے ہیں مگر یہ ایک بیج ہے جو بویا جا رہا ہے اور اپنے وقت پر یہ پودہ پھولے اور پھلیگا

ریویو

الفرقان: حضرت مولوی عبد الکریم صاحب مرحوم کی آخری تصنیف ہے جو مرحوم نے اپنے آخری دنوں میں شروع کی تھی ۷۲ صفحہ تک چھپ چکی تھی کہ آپکا انتقال ہو گیا۔ حکیم فضل دین صاحب نے اسی قدر حصہ کو ایک مختصر دیباچہ کیساتھ جو شیخ یعقوب علی صاحب نے لکھا ہے شایع کر دیا ہے اگرچہ اصل غرض مصنف مرحوم کی صرف ایک شیعہ کے خط کا جواب دینا تھا مگر قرآن کریم کی وہ سچی محبت جو آپکے دل میں تھی جسکا ذکر آپ اس کتاب میں ان الفاظ میں کرتے ہیں "اگرچہ بات لمبی ہوتی جاتی اور مقرر کردہ اندازہ سے کتاب کی ضخامت کے بڑھ جانیکا اندیشہ ہے مگر قرآن کریم کے اکرام اور اعزاز کی آرزو جو میری روح کی حقیقی غرض اور غذا ہے مجھے اینداد کے لحاظ سے بے پرواہ کر کے تعلیم دیتی ہے کہ میں ایسے موقعوں کو کبھی ہاتھ سے نہ دوں اور غنیمت سمجھوں کہ اس تھوڑی فرصت میں جو خدائے تعالیٰ کی مہربانی سے مجھے ملی ہے اسی کی توفیق سے کچھ زاد راہ پیدا کر لوں" الغرض اس سچی محبت کلام الٰہی کا جو آپکے لفظ لفظ سے ٹپکتی ہے یہ تقاضا تھا کہ آپ نے اسمیں قرآن شریف کی بہت سی آیات کی نہایت لطیف تفسیر کی ہے اور عصمت انبیاء اور ذنب اور غفر کے معنوں پر قرآن شریف سے نہایت لطیف استدلال کئے ہیں یہ بیش بہا جوہر جو مرحوم کی آخری یادگار ہے حکیم فضل دین صاحب مالک مطبع ضیاء الاسلام قادیان سے ۸ قیمت کو دستیاب ہو سکتا ہے۔

تعلیم الاسلام: تہذیب الاسلام کا جواب ماسٹر عبد الرحمن صاحب نے لکھا ہے جنکی کتاب اختیار الاسلام تین حصوں میں پہلے شایع ہو چکی ہے مصنف سے ملسکتی ہے۔

تحفہ احمدیہ: محمد منظور الٰہی صاحب سوہدری کی تصنیف دو آریوں کی باہمی گفتگو بالفاظ مصنف گپ شپ ہے مصنف سے میری یہ درخواست ہے کہ وہ اس طرز تحریر کو جسمیں وہ متانت اور سنجیدگی نہیں پائی جاتی جو مذہبی اور خصوصاً احمدی لٹریچر میں ہونی چاہئے آیندہ بالکل ہی چھوڑ دیں ۲۴ صفحے قیمت ار شیخ یعقوب علی صاحب مالک الحکم سے ملسکتی ہے۔

ضیاء الاسلام ماہوار مذہبی رسالہ مراد آباد سے نکلنا شروع ہوا ہے۔ اسکا دوسرا نمبر میرے پاس پہنچا ہے جسمیں عمدہ مضامین ہیں

رؤیا والہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

یکم جنوری ۱۹۰۶ء تین بکرے ذبح کئے جائیں گے فرمایا ظاہر پر عمل کر کے آج ہم نے تین بکرے ذبح کرادیے ہیں۔

۳- جنوری ۱۹۰۶ء۔ انی مع الافواج اتیک بغتۃ حرام علی قریۃ اھلکنٰھا انھم لا یرجعون۔ ووضعنا عنک وزرک الذی انقض ظھرک۔ ترجمہ میں فوجوں کے ساتھ تیرے پاس اچانک آؤنگا جس گاؤں کو ہم نے ہلاک کردیا ان پر پھر واپس آنا حرام ہے اور ہم تجھ سے وہ بوجھ اتار دے جنہوں نے تیری پیٹھ توڑدی۔ ۱۰ جنوری ۱۹۰۶ء (۱) اللہ غالب علی کل شیئ (۲) ینجیک من کربک۔ ترجمہ (۱) خدا ہر شے پر غالب ہے۔ (۲) تجھے تیرے کرب سے نجات دیگا ایک رؤیا میں دیکھا کہ بہت سے ہندو آئے ہیں اور ایک کاغذ پیش کیا کہ اسپر دستخط کردیں کہا کہ میں نہیں کرتا انہوں نے کہا کہ پبلک نے کردئے ہیں بیٹے کہا کہ میں پبلک میں نہیں یا کہا کہ پبلک سے باہر ہوں ایک اور بات بھی کہنے کو تھا کہ کیا خدا نے اسپر دستخط کردئے ہیں مگر یہ بات نہیں کی تھی کہ بیداری ہوگئی ۱۳- جنوری ۱۹۰۶ء (۱) قل اللہ ثم ذر کل شیئ (۲) ان اللہ مع الذین ھم یتقون۔ ترجمہ تو کہدے اللہ پھر سب چیزوں کو چھوڑ دے یعنی اللہ تعالیٰ پر پورا بھروسہ کر اور دوسرے کسی کی پرواہ نہ کر (۳) رؤیا میں مولوی محمد حسین صاحب کو دیکھا کہ کہتے ہیں قطع دابر القوم۔ دل میں خیال گزرا کہ یہ تو دشمن ہے کس قوم کے متعلق یہ الفاظ بولتا ہے تب الہام ہوا قطع دابر القوم الذین لا یومنون۔ ترجمہ اس قوم کی جڑھ کاٹی گئی جو ایمان نہیں لاتی (۴) رؤیا میں دیکھا کہ دہلی گئے ہیں اور بخیریت واپس آئے ہیں پھر الہام آیہ الفاظ زبان پر جاری ہوئے۔ الحمد للہ الذی اوصلنی صحیحا۔ ترجمہ سب حمد اس اللہ کے لئے ہے جس نے مجھے صحیح سالم پہنچادیا۔ ۱۴ جنوری ۱۹۰۶ء (۱) کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی (۲) سلام قولا من رب الرحیم (۳) ہم مکہ میں مرینگے یا مدینہ میں ترجمہ خدا تعالیٰ نے ابتداء سے مقدر کر چھوڑا ہے کہ وہ اور اسکے رسول غالب رہیں گے (۲) خدائے رحیم کہتا ہے کہ سلامتی ہو یعنی خائب خاسر کی طرح تیری موت نہیں ہے اور یہ کلمہ کہ ہم مکہ میں مرینگے یا مدینہ میں اسکے یہ معنے ہیں کہ قبل از موت مکی فتح نصیب ہوگی جیسا کہ وہاں دشمنوں کو قہر کیساتھ مغلوب کیا گیا تھا اسی طرح یہاں بھی دشمن قہری نشانوں سے مغلوب کئے جائینگے دوسرے یہ معنے ہیں کہ قبل از موت مدنی فتح نصیب ہوگی یعنی خود بخود لوگوں کے دل ہماری طرف مائل ہو جائینگے فقرہ کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی مکہ کی طرف اشارہ کرتا ہے اور فقرہ سلام قولا من رب رحیم مدینہ کی طرف ۱۵ جنوری ۱۹۰۶ء تزلزل در ایوان کسریٰ فتاد۔ ۲۰ جنوری ۱۹۰۶ء کی سیر میں سنایا۔ یوم تاتی السماء بدخان مبین وتری الارض یومئذ خامدۃ مصفرۃ یعنی آسمان ایک کھلا کھلا دھواں لائیگا یعنی آسمان ایک دخانی صورت کا عذاب زمین پر نازل کریگا اور تو زمین کو دیکھیگا کہ ایک مردہ سی ہوگئی اور راکھ کی طرح بن گئی ہے اور اسپر بجائے سرسبزی کے زردی چھا گئی ہے ۲۵- جنوری ۱۹۰۶ء (۱) تاتی السماء بدخان مبین (۲) یوم تاتی السماء بدخان مبین ۲۲- جنوری ۱۹۰۶ء (۱) فرمایا دل میں ان مشکلات کا خیال تھا جو سلسلہ حقہ کی راہ میں ہیں تو الہام ہوا سفینۃ وسکینۃ۔ ترجمہ کشتی اور سکینت (۲) دیکھا کہ ایک مربع شکل کا صندوق ہے جسمیں دو خانے ہیں ایک خانہ میں موت ایک عورت کی شکل میں بیٹھی ہے اور دوسرے خانہ میں اسکی لڑکی ہے وہ عورت مجھے تلاش کرتی ہے اور وہ صندوق گاڑی کی طرح چلتا ہے میں اسکو اشارہ کر کہا کہ کچھ تاخیر کرتب وہ متامل سے رہ گئی۔ ۲۴ جنوری ۱۹۰۶ء رؤیا میں سنا کہ کوئی شخص انگریزی زبان میں پر زور اور پر جوش الفاظ میں تقریر کر رہا ہے اسکی تقریر کے یہ الفاظ سنے "اسے ورڈ اینڈ ٹو گرلز" پھر میں نے دیکھا تو وہ مولوی محمد علی صاحب تھے وہ تقریر بالکل ایسی تھی جیسے

یکم فروری ۱۹۰۶ء (۱) تتبعہا الرادفۃ - ترجمہ - اس کے پیچھے آئے گی پیچھے آنیوالی یعنی ایک زلزلہ آیا - اسکے بعد ایک اور آنیوالا ہے (۲) پھر بہار آئی - خدا کی بات پھر پوری ہوئی - (۳) واما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض - ترجمہ - اور جو چیز لوگونکو نفع دینے والی ہے وہی زمین میں ٹھہرے گی یعنی جو انسان خلقت کو فائدہ پہنچانیوالے ہیں ان کو زندگی عطا کیجاویگی ۴ - فروری ۱۹۰۶ء رات کے تین بجے کے قریب جبکہ بادل نہایت زور سے گرج رہا تھا - الہام ہوا - اٹھو نمازیں پڑھیں اور قیامت کا نمونہ دیکھیں - فرمایا اس وقت ہمارا شغل یہی ہوگا - کہ نمازیں پڑھیں اور خدا کی عبرت کا نظارہ دیکھیں - ۸ - فروری ۱۹۰۶ء (۱) زمین کہتی ہے - یا نبی اللہ کنت لا اعرفک - ترجمہ - اے اللہ کے نبی میں تجھ کو نہیں پہچانتی تھی - (۲) ایک دانہ کس کس نے کھانا - نخرج ھمہ وغمہ دوحۃ اسمٰعیل فاخفہا حتی تخرج ترجمہ - اس کا ہم اور غم باہر نکال دیگا - اسمٰعیل کے درخت کو پس اسکو پوشیدہ رکھ یہانتک کہ وہ ظاہر ہو جاوے - ۸ - فروری ۱۹۰۶ء - خواب میں دیکھا کہ ہمارے باغ کے قریب ایک نہر رواں ہے - میں کہتا ہوں کہ اب باغ جلد چند روز میں پرورش پا جاویگا - اور اگر پانی نہیں لگا تب بھی سرسبز ہو جاویگا - میرے نزدیک اس کی تعبیر یہ ہے کہ باغ سے مراد اپنی جماعت ہے اور نہر سے مراد نصرت اور تائید الٰہی ہے جو نشانوں کے رنگ میں ظاہر ہوگی - ۱۰ فروری ۱۹۰۶ء "دیکھا کہ ایک جماعت کثیر میرے پاس کھڑی ہے ایک حاکم آیا اور اس نے کھڑے ہو کر کہا کہ کیوں اس جماعت کو منتشر کیا چاہتے ہو - میں نے کہا کہ اس جماعت میں کوئی مخالف نہیں صرف تعلیم پاتے ہیں - پھر اس حاکم نے کہ گویا وہ ایک فرشتہ تھا آسمان کی طرف منہ کر کے ایک دو باتیں کیں جو مجھے نہیں آئیں پھر اس نے مجھے مخاطب کر کے کہا - کہ سلام - اور چلا گیا"

بنگالہ کی نسبت ایک پیش گوئی -

۱۱ - فروری ۱۹۰۶ء - الہام ہوا پہلے بنگالہ کی نسبت جو کچھ حکم جاری کیا گیا تھا اب ان کی دلجوئی ہوگی

ایک پوشیدہ خبر شائع ہونے کی پیش گوئی -

۱۱ - فروری ۱۹۰۶ء اول کسی نے کہا - کرنسی نوٹ - پھر ایک کتاب مجھ کو دکھائی گویا وہ کرنسی نوٹ تھی اور پھر الہاماً میری زبان پر جاری ہوا - دیکھو میرے دوستو اخبار شائع ہو گیا - (فرمایا - اخبار سے مراد خبر ہے)

اعانت اور خریداری

خدا کا احسان ہے کہ سلسلہ اعانت اور خریداری برابر جاری ہے - اگرچہ وہ ابتدائی جوش اس میں نہیں - مگر ایک امر خصوصاً قابل ذکر ہے کہ وہ احباب جو اس سلسلہ سے تعلق نہیں رکھتے انہوں نے بھی خود بخود رسالہ کی قدر افزائی کی طرف توجہ کی ہے - میرے مکرم مولانا مولوی محمد عبدالولی صاحب لکھنؤ سے ایک خط میں حضرت مولوی نور الدین صاحب کو لکھتے ہیں کہ "ریویو آف ریلیجنس کو میں ہندوستان کے تمام رسالوں سے اعلیٰ و افضل خیال کرتا ہوں" مکہ معظمہ ادام اللہ شرفہا سے مدرسہ صولتیہ کے مہتمم صاحب نے بھی ابتدا سے اس رسالہ کی جلدیں طلب کی ہیں جو مجلد کرا کر بھیجدی گئی ہیں - کئی ایک احباب خود نمونہ دیکھکر خریدار بھی ہوئے ہیں - اور

پچھلے سالوں کی پوری پوری جلدیں طلب کی ہیں۔ اعانت میں اس مہینہ میں غیر احمدی احباب میں سے خاص طور پر قابل ذکر جناب مرزا سلطان احمد صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر اور ڈاکٹر عبد الغفار صاحب اسسٹنٹ سرجن بنوں اور شیخ عمر بخش صاحب وکیل لاہور ہیں جنہوں نے اپنے خرچ پر بیرونجات میں مفت پرچے بھیجنے کیلئے کئی کئی رسالوں کی قیمت بھیجی ہے۔ احمدی احباب نے اردو رسالے کی خریدار ماہ جنوری و فروری میں حسب ذیل دیئے ہیں۔ قاضی نعمت خانصاحب پشاور نے ۵ ماسٹر ہدایت اللہ صاحب جہلم اور بابو محمد منظور الٰہی صاحب بھٹنڈہ اور ڈاکٹر یعقوب خانصاحب مونہ نے چار چار۔ بابو محبوب عالم صاحب لاہور اور منشی محمد نواب خانصاحب گجرات اور سید قاسم علی صاحب دہلی نے تین تین۔ سید محمد علیشاہ صاحب بدوملی منشی نور الدین صاحب دہرم کوٹ رندھاوا۔ اور مولوی محمد فضل صاحب چنگوی دو دو۔ اور مفصلہ ذیل احباب نے ایک ایک خریدار دیدیا ہے منشی عطا محمد صاحب چوہدی والہ۔ چوہدری محمد خان جسروال۔ میاں عبد السلام کاٹھ گڑھ۔ میاں محمد ابراہیم کراچی۔ منشی محمد صدیق مہاراجکے۔ منشی برکت علی گڈھ شنکر۔ بابو شاہ الدین لارنس پور۔ منشی طفیل احمد چندوسی۔ جناب حامد صاحب [illegible] مولوی غلام حسن صاحب پشاور۔ مولوی فضل کریم قلعہ صوبہ سنگھ۔ منشی نواب الدین صاحب پسرور۔ بابو محمد الٰہی کوہاٹ۔ منشی محمد یوسف مردان۔ میاں محمد دین محمد خلیل بمبئی۔ منشی غلام محی الدین۔ محمد ابراہیم بن حاجی موسیٰ کراچی۔ منشی عبد الحق پسرور۔ میاں محمد عبد اللہ بھینی۔ منشی خدا بخش بڈیانہ ایس ایم عبد الرحمٰن صاحب۔ منشی ناظر حسین سہارنپور۔ منشی محمد سلطان صاحب میاں احمد علی مرار۔ منشی رمضان علی۔ منشی نعمت خانصاحب پھلور۔ میاں عبد الرحمٰن بمبئی۔ چودھری رستم علی انبالہ۔ احمدی احباب نے اعانت کا روپیہ حسب ذیل دیا ہے۔ منشی محمد ظفروال ۸؍ میاں رحیم بخش پٹیالہ عصہ شیخ نور احمد لاہور للعہ میاں الٰہ بخش دریام ۲؍ میاں دوست محمد جہلم للعہ میاں الٰہ دتا گولاواہ عصہ مولوی عبد اللہ کہرل چک نمبر ۱۰ [illegible] خواجہ کمال الدین لاہور عصہ بابو امام الدین کوہاٹ ۸؍ منشی غلام نبی کوہاٹ ۸؍ ڈاکٹر مختار علی خان بربرہ [illegible] شیخ علی محمد ڈنگہ عصہ جماعت شملہ [illegible] بابو گلاب خان دہرمسالہ [illegible] میاں فضل الدین سری نگر عصہ میاں کریم بخش لاہور [illegible] منشی ہاشم علی سروال گڈھ [illegible] منشی عبد الرحمٰن صاحب کلکتہ [illegible] چوہدری رستم علی انبالہ [illegible] بابو عبد الرحمٰن انبالہ عصہ شیخ میران انبالہ ۹؍ جماعت جہلم [illegible] گنر برکت علی خان ہانگ کانگ [illegible] جماعت کوہاٹ ۱۳؍ میاں الٰہ بخش غلام حسین امرتسر [illegible] منشی محمد شفیع گوجرانوالہ ۱۲؍ میاں امام بخش منی پور آسام [illegible] میاں عصمت اللہ گجرات [illegible] میاں احمد صاحب گجرات [illegible] ماسٹر ہدایت اللہ جہلم [illegible] بابو فیروز علی [illegible] چوہدری مولا داد خان رجھانوالہ للعہ جماعت احمدیہ پشاور [illegible] جماعت احمدیہ لائل پور [illegible]

نوٹ اس سال سے انشاء اللہ یہ اہتمام کیا جاویگا کہ جو احباب خریدار دیتے ہیں یا اعانت کا روپیہ بھیجتے ہیں انکے نام ماہ بماہ شائع ہوتے رہیں گے۔

منیجر ریویو

Digitized by Khilafat Library

مطبع میگزین قادیان میں منیجر میگزین کے اہتمام سے باردوم چھپکر شائع ہوا۔